نیلاب پُل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 1

''ہائے افسوس... افسوس...'' فاروق نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''میں گن رہی ہوں، یہ تمہاری چھٹی سرد آہ ہے۔'' فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

''ابھی کیا ہے، آگے آگے گننا۔'' محمود مسکرایا۔

''تم دونوں کتنے بے درد ہو، اُف...'' فاروق نے کراہ کر کہا۔

''یہ شان دار حد تک غلط اندازتم نے کس طرح لگایا؟'' فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''بھئی اندازہ لگانا کیا مشکل ہے، آدمی پوری طرح آزاد ہے، کچھ بھی اندازہ لگا سکتا ہے۔'' محمود بولا۔

''نہیں محمود، میں نے تم سے نہیں، فاروق سے پوچھا ہے۔'' فرزانہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''صاف ظاہر ہے، تم دونوں میری آہیں سن رہے ہو، گن بھی رہے ہو، ان پر مسکرا بھی رہے ہو، طنز کے تیر برسا رہے ہو لیکن پھوٹے منہ سے یہ ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ آخر ان آہوں اور افسوس کے نعروں کا مطلب کیا ہے، ان کی وجہ کیا ہے، کیوں یہ میرے منہ سے نکلتے چلے رہے ہیں۔'' اس نے پھر سرد آہ بھر کر کہا۔

''ہاں واقعی، یہ بات تو سب سے پہلے پوچھنی چاہیے تھی، خیر کوئی بات نہیں، تم یوں کرو اب بتا دو۔''

کیا خاک بتا دوں... تم نے سارا کام کرکرا کر کے رکھ دیا۔'' فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

''کیا مطلب... ہم نے کرکرا کر کے رکھ دیا، لیکن کون سا کام؟''

''ہاں اور کیا، میں تو بھول ہی گیا کہ سرد آہیں کس لیے بھر رہا ہوں۔'' فاروق بولا۔

''کیا کہا بھول گئے ہو، چلو چھٹی ہوئی، یہ تو اور بھی اچھی بات ہے... تمہیں سرد آہیں بھرنے سے تو نجات مل گئی۔'' محمود خوش ہو کر بولا۔

''یہی تو مصیبت ہے... نجات کہاں ملی ہے، سرد آہیں تو قطار در قطار چلی آ رہی ہیں، یہ دیکھو۔'' یہ کہہ کر اس نے پھر سرد آہ بھری۔

''معلوم ہوتا ہے، سرد آہوں کا پورا اسٹاک جمع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تم نے۔'' فرزانہ جل کر بولی۔

''تو تم کیوں جلی جا رہی ہو، اگر ایسا ہی ہے تو تم بھی سٹاک کرنا شروع کر دو۔'' محمود مسکرایا۔

''نہ بھئی... میں باز آئی، اسلام میں ذخیرہ اندوزی منع ہے۔'' وہ بولی۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے، فاروق تو یہ بات بھول ہی گیا کہ سرد آہیں کیوں بھر رہا ہے... اب جب تک وہ بات اسے یاد نہیں آ جاتی، سرد آہوں کا سلسلہ برابر جاری رہے گا...'' محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

''یہ تو بڑی بھاری مصیبت ہو گئی۔'' فرزانہ بولی۔

''خدا کے لیے اس کا حل سوچو، ورنہ فاروق تو مارا گیا سرد آہوں کے حملوں سے۔'' محمود تیز آواز میں بولا۔

''کیا بات ہے... تم لوگ لڑ کیوں رہے ہو، کم از کم اپنے ابا جان کا تو انتظار کر لو۔'' باورچی خانے سے بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

''جی کیا مطلب امی جان، یعنی آپ کیا کہنا چاہتی ہیں... ہم ابا جان کے آنے پر لڑائی شروع کریں... ویسے معاف کیجیے گا... ہم لڑ نہیں رہے، ہاں آواز ذرا تیز ضرور ہو گئی تھی۔''

''اور یہ صحن سے باورچی خانے کی طرف ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی کیوں آ رہی ہے... کہیں بیرونی دروازہ کھلا ہوا تو نہیں؟'' وہ بولیں۔

''جی نہیں، دروازہ بند ہے، فاروق کے منہ سے متواتر سرد آہیں نکل رہی ہیں۔''

''اُف اللہ! وہ کیوں؟''

''فاروق یہ بات بھول گیا ہے کہ آہیں کیوں نکل رہی ہیں۔''

''ارے! اب کیا ہوگا، اگر وہ بات فاروق کو یاد نہ آئی تو؟'' بیگم جمشید بوکھلا اٹھیں اور پھر باورچی خانے سے نکل کر صحن کی طرف لپکیں:

''کیا یہ بات سچ ہے فاروق۔''

''جی ہاں امی جان۔'' فاروق نے سرد آہ بھری، لیکن اس مرتبہ آہ درمیان میں ہی رہ گئی۔

''کیا ہوا بھئی... آہ میں بریک کیوں لگ گیا؟''

''مبارک ہو، مجھے یاد آ گیا کہ میں آہیں کیوں بھر رہا ہوں۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

''امی جان سن لیجیے... وہ کیا بات تھی۔''

''کوئی ضرورت نہیں، اتنا ہی کافی ہے کہ فاروق کو وہ بات یاد آ گئی اور اب اس کا سرد آہیں بھرنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔'' انہوں نے کہا اور باورچی خانے میں گھس گئیں۔

''فاروق! اب ذرا جلدی سے بتا دو، وہ کیا بات ہے، کہیں پھر ذہن سے نکل گئی تو سرد آہوں کے جال میں اس بری طرح پھنسو گے کہ نکلنا مشکل ہو جائے گا۔'' محمود نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

''شکریہ محمود، تم نے ٹھیک کہا ہے، مجھے واقعی یہ بات تم دونوں کو بتا دینی چاہیے، تاکہ پھر اس کے بھول جانے کا امکان ختم ہو جائے... تو سنو... مجھے افسوس اس بات پر ہے کہ ہم پہاڑی وادیوں میں ہو آئے، سمندروں میں ہو آئے، برف کی وادیوں میں ہو آئے... فضا میں ہو آئے، ریگستانوں میں ہو آئے... مطلب یہ کہ ان سب جگہوں پر کیس حل کر آئے... یہاں تک کہ جزیروں پر بھی ہو آئے اور اب تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ دنیا سے باہر بھی ہو آئے، لیکن اگر ہم نے کیس حل نہیں کیا تو ایک جگہ۔''

''اور وہ کون سی جگہ ہے؟'' فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

''ٹرین... ہم نے آج تک ٹرین میں کوئی کیس حل نہیں کیا۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا... ہم کیس ڈھونڈتے تو نہیں پھرتے... کیس تو خود ہماری تلاش میں رہتے ہیں۔'' محمود بھنا اٹھا۔

''ہاں! تم نے ٹھیک کہا ہے... میں بھی دراصل یہی کہنا چاہتا تھا۔'' فاروق شوخ انداز میں مسکرایا۔

''مطلب یہ کہ ہم جب بھی کہیں جاتے ہیں، ایک عدد کیس سے ملاقات ضرور ہوتی ہے... تو کیوں نہ اس مرتبہ ہم

ریل گاڑی کا سفر کریں اور ایک عدد کیس کا لطف اٹھائیں... ''فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

''ہائیں ہائیں... فاروق... یہ تم کہہ رہے ہو، ارے بھئی تم تو ہمیشہ کیسوں سے دور بھاگتے ہو۔'' فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میرے دور بھاگنے سے کیا ہوتا ہے... کیس تو ہر حال میں پلّے پڑ کر رہتا ہے... ہاں تو پھر کیا خیال ہے؟''

''احمقانہ!'' محمود بولا۔

''وہ کیسے؟'' فاروق تلملا اٹھا۔

''ابا جان بھلا کس طرح ٹرین کا سفر منظور کر لیں گے۔''

''یہ مجھ پر چھوڑ دو...'' فاروق نے کہا۔

''کیا مطلب! تم پر چھوڑ دیں، گویا ابا جان سے تم خود بات کرو گے۔'' محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں نے یہ کہا ہے کہ مجھ پر چھوڑ دو۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''چلو بھئی... ہمارا کیا حرج ہے... اگر یہ کہتا ہے تو چھوڑ دو اس پر۔'' فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

''اچھا... جیسے تمہاری مرضی، لو بھئی فاروق، ہم نے یہ تم پر چھوڑا۔'' محمود بولا۔

''شکریہ! اب دیکھو، میں کیا کام دکھاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے فون کے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''مطلب یہ ہوا کہ تم ٹرین کے سفر کا بندوبست کر کے رہو گے... اور تمہیں یہ بھی یقین ہے کہ ٹرین میں ہماری ملاقات ایک عدد کیس سے بھی ہو جائے گی۔'' فرزانہ بے یقینی کے عالم میں بولی۔

''ٹھیک سمجھیں... میں یہی چاہتا ہوں۔''

''آج تک اس سے زیادہ بے وقوفانہ کام ہم نے شاید ہی کیا ہوگا۔'' فرزانہ بولی۔

''تم نہیں... یہ کام میں کر رہا ہوں... لہٰذا تم کیوں دبلے پتلے ہوئے جا رہے ہو۔''

''اچھا نہیں ہوتے دبلے... جو کرنا چاہتے ہو، کرو۔'' محمود نے تنگ آ کر کہا۔

''فاروق نے نمبر ڈائل کیا اور سلسلہ ملتے ہی بولا:

''ہیلو انکل... فاروق بول رہا ہوں... خدا کا شکر ہے کہ آپ گھر میں ہی ہیں... مجھے آپ سے بہت ضروری کام ہے... آپ یہاں آنا پسند کریں گے یا ہم وہاں آئیں...'' یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا... آخر اس نے کہا:

''شکریہ انکل! ہم بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں... مہربانی فرما کر ابا جان کی آمد سے پہلے پہنچ جائیں، ورنہ پروگرام کرا کر ہو جائے گا۔'' یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

''تو تم نے انکل خان رحمان کو بلایا ہے...'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''ہاں!'' وہ مسکرایا۔

''اوران کے ذریعے تم ٹرین کے سفر کا سامان کرو گے... فرزانہ کاٹ کھانے والے انداز میں بولی۔

''ہاں! اس میں کیا برائی ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''اور میں کہتا ہوں، اس کی ضرورت کیا ہے؟'' محمود نے کہا۔

''ٹرین میں کیس جو حل کرنا ہے۔''

''آج تم پر ٹرین میں کیس حل کرنے کا بھوت تو سوار نہیں ہو گیا۔'' فرزانہ بھنا اٹھی۔

''اوہ... کیا اس قسم کا بھوت بھی ہوتا ہے۔'' فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں... کیوں نہیں، بھوت کا کیا ہے، بھوت تو کسی بھی قسم کے ہو سکتے ہیں۔'' محمود نے جواب دیا۔

''بھوت نہ ہوئے، مذاق ہو گئے۔'' فرزانہ بولی۔

''گویا ان بھوتوں کا کوئی دین ایمان نہیں۔'' فاروق مسکرایا۔

''لو اب بھوتوں کے پیچھے پڑ گئے۔'' محمود بولا۔

''خدا کا شکر کرو۔''

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی... انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا... انداز خان رحمان کا نہیں تھا، یوں بھی انہیں فون کیے ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے اور ان کو یہاں آنے میں تقریباً پندرہ منٹ تو ضرور لگتے تھے۔

''دستک دینے والا کوئی واقف آدمی نہیں ہے، میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''خیال ہی پیش کرتے رہو گے، یا دروازہ بھی کھولو گے۔'' فاروق نے بھنا کر کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''حیرت ہے... آج فاروق کو ہو کیا گیا، اس کی کام چوری کہاں چلی گئی۔'' فرزانہ بولی۔

''بھئی جھوٹ موٹ کا کام چور بنتا رہتا ہے۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''کیا کہا... جھوٹ موٹ کا۔'' فاروق دروازے کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔

''جھوٹ موٹ کا کام چور کہا ہے میں نے، اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر تم سچ مچ کے کام چور ہو گے۔'' محمود تنک کر بولا۔

''اوہ... پھر تو جھوٹ موٹ کا ہی ٹھیک ہے... دراصل لفظ جھوٹ اور جھوٹ بولنے سے ہمیں خاص چڑ ہے نا، اس لیے میں جھوٹ کا لفظ سن کر چونک اٹھا تھا۔''

''اچھا... خدا کے لیے پہلے دروازے تو کھول دو...'' فرزانہ نے کہا۔

فاروق نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا... اس نے دیکھا، باہر ایک نوجوان سا آدمی کھڑا تھا، اس کے سر کے بال گھنگریالے تھے، چہرے پر ڈاڑھی مونچھ نام کی کوئی چیز نہیں تھی... قد لمبا تھا اور رنگ سرخ و سفید آنکھیں گہری سیاہ

...(جاری ہے)

نیلاب پل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 3

بیگم جمشید ان لوگوں کے جانے کے بعد چائے کے برتن اٹھاتے اٹھاتے چونک اٹھیں، اُن کی نظریں ایک لفافے پر جم گئیں... انہیں یاد آ گیا... خان رحمان کے آنے سے پہلے کوئی شخص آیا تھا اور فاروق نے اندر آنے پر بتایا تھا کہ کوئی شخص گل داؤد نام کا دعوت نامہ دے گیا ہے... انہوں نے فاروق کا جملہ سن لیا تھا... اور اب ان کی نظریں اُسی لفافے پر جمی ہوئی تھیں... محمود، فاروق اور فرزانہ لفافے کے بارے میں اپنے والد کو بتانا بھول گئے تھے... انہوں نے کچھ سوچ کر لفافہ چاک کیا اور اس میں سے دعوت نامہ نکالا، لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت اور پریشانی بڑھ گئی کہ اس میں صرف ایک سفید کاغذ موجود تھا... اور اس سفید کاغذ پر چند الفاظ لکھے تھے... الفاظ یہ تھے:

''میں اس ملک میں پہلی بار آیا ہوں... تم لوگوں کی بہت شہرت سنی ہے، چنانچہ سب سے پہلے تم لوگوں سے ہی ملاقات کی خواہش جاگی... نوٹ کر لیں، آج رات میں کسی وقت آپ کے گھر آؤں گا... لمبے چوڑے انتظامات کرنے کی ضرورت نہیں، میں اکیلا آؤں گا اور ہلکا سا ایک سبق دے کر چلا جاؤں گا تاکہ سبق تم لوگوں کو آسانی سے یاد ہو جائے... امید ہے میرا انتظار کیا جائے گا۔ رونل۔''

خط پڑھ کر وہ سوچ میں ڈوب گئیں، پھر انہوں نے دفتر کے نمبر گھمائے، لیکن بابا فضل نے بتایا کہ اکرام تو انسپکٹر صاحب کے ساتھ ہی جا چکا ہے... آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب بھی دفتر میں نہ ملے... چند لمحے تک سوچنے کے بعد وہ گھر سے باہر نکلیں اور بیگم شیرازی کے دروازے پر دستک دی... فوراً ہی دروازہ کھل گیا اور بیگم شیرازی کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی:

''خیر تو ہے بہن شکیلہ... بہت پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔''

''ہاں! مہربانی فرما کر ذرا میرے ساتھ آیئے۔''

''کوئی خاص بات۔'' وہ سوالیہ انداز میں بولیں۔

''ہاں! خاص ہی ہے۔''

''بیگم شیرازی نے دروازہ بند کیا اور ان کے گھر میں داخل ہوئیں... انہوں نے رونل والا خط ان کے سامنے رکھ دیا۔ خط پڑھنے کے بعد وہ بولیں:

''کیا مطلب... میں سمجھی نہیں۔''

''یہ شخص رات کو حملہ کرنے والا ہے۔''

''ہوں، لیکن آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟'' بیگم شیرازی بولیں۔

''اس لیے کہ آج میرے علاوہ گھر میں کوئی نہیں ہے اور نہ دفتر میں کوئی ہے... نیلاب پل کا افتتاح ہو رہا ہے... اور صدر صاحب کے ہاتھوں ہوگا، لہٰذا سب کے سب وہاں گئے ہوئے ہیں۔''

''اوہ!'' بیگم شیرازی کے منہ سے نکلا۔

''ان حالات میں میں کیا کروں... بس اور تو کچھ سوجھا نہیں، آپ کو بلا لیا۔''

''تو پولیس اسٹیشن کیوں فون نہیں کیا۔''

''فون کر سکتی تھی... وہاں سے چند پولیس والے آجاتے، لیکن وہ اس شخص رونل کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔''

''کیوں، کیا آپ رونل کو جانتی ہیں؟'' بیگم شیرازی کے منہ سے نکلا۔

''نہیں، لیکن اس کے خط لکھنے کا انداز ایسا ہے کہ میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں... صاف ظاہر ہے، اسے پولیس کا کوئی ڈر نہیں، ورنہ پہلے سے خط کبھی نہ لکھتا۔''

''ہوں! آپ کا اندازہ درست ہے، لیکن پروگرام کیا ہے۔''

''میں نے سوچا ہے، میں آپ اور سونی مل کر اس کا استقبال کریں...'' بیگم جمشید مسکرائیں۔

''کیا مطلب... میں، آپ اور بلی۔''

''ہاں! بلی بھی ہماری مدد کرے گی۔''

''لل... لیکن... میں نے ایسے کام کبھی نہیں کیے۔''

''گھبرائیے نہیں... میں نے تو کیے ہیں... آپ کو بس اتنا ہی کرنا ہوگا، جتنا میں کہوں۔''

''اچھا خیر... اور بلی کیا کر سکے گی۔''

''بلی بھی میرے اشاروں کو سمجھ کر دشمن پر حملہ کرے گی۔''

''ارے... کیا واقعی۔''

''ہاں! فرزانہ نے اسے تربیت دے رکھی ہے۔''

''اور اب ہمیں کیا کرنا ہے۔''

''اب ہمیں اس کے استقبال کی تیاری کرنی ہے... آئیے میرے ساتھ۔''

انہوں نے بیگم شیرازی کا ہاتھ پکڑا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں۔

O

انسپکٹر جمشید اور اکرام جب پل کے دوسرے سرے پر پہنچے تو آئی جی صاحب کی جیپ کھڑی نظر آئی۔ وہ سیدھے اس طرف بڑھ گئے:

''آؤ جمشید... تم ٹھیک وقت پر آئے۔''

''لیکن سر... آپ تو ہم سے بھی پہلے پہنچ گئے...'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''ہاں بھئی... کیا کروں... ذمے داری جو میری ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں سر... میں سارا انتظام کرلوں گا... کیا سارے پل کو چیک کرلیا گیا ہے۔''

''کل رات آخری بار چیک کرلیا گیا تھا، اس کے بعد دونوں طرف سے کسی کو بھی پل عبور نہیں کرنے دیا گیا... لہٰذا اب چیک کرنے کی ضرورت نہیں... بس سادہ لباس والوں کو ایک خاص ترتیب سے مقرر کرنا اصل کام ہے۔''

''اور یہ کام میں کرلوں گا، آپ فکر نہ کریں۔''

''سنو جمشید... اگر خطرہ صرف دہشت گردوں کے حملے کا ہوتا تو کوئی بات ہی نہیں تھی... ہم ان کی ایک نہ چلنے دیتے... مصیبت ایک اور ہے۔''

''کیا مطلب... ایک اور مصیبت؟'' انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

''ہاں! بیرونِ ملک ہمارے ایک بہت ہی خاص جاسوس نے ایک اہم ترین اطلاع دی ہے... اور وہ یہ کہ دہشت گردوں کو کنٹرول کرنے کے لیے ایک جاسوس روٹل بھیجا گیا ہے... روٹل شیطانی ذہن کا آدمی ہے... ہمارے جاسوس کی اطلاعات یہ ہیں کہ وہ ہمارے ملک میں پندرہ بیس روز پہلے داخل ہو چکا ہے... صاف ظاہر ہے، اس نے داخل ہونے کے فوراً بعد دہشت گردوں سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔'' وہ بولے۔

''اگر یہ اطلاعات مل چکی تھیں، تب تو اس افتتاح کا پروگرام بھی تبدیل کر دینا چاہیے تھا...'' انسپکٹر جمشید فکر مندانہ لہجے میں بولے۔

''لیکن یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ روٹل کو اسی افتتاح کے سلسلے میں بھیجا گیا ہے۔''

''ہوں خیر... میں دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے... پل کے دونوں سروں پر تو سادہ لباس والے کھڑے کیے ہی جائیں گے... پل پر تو نہیں کھڑے کیے جائیں گے۔''

''ہاں! صرف دونوں سروں پر، اندر کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''او کے سر! آؤ اکرام چلیں... ہمارے پاس بہت وقت ہے... ہم بخوبی انتظامات کا جائزہ لے سکتے ہیں...'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ سامنے سے ڈی آئی جی صاحب آتے دکھائی دیے، ان کا چہرہ سفید تھا... وہ دھک سے رہ گئے:

''خیر تو ہے سر۔''

''خیر نظر نہیں آتی... ''انہوں نے کہا۔

''آئی جی صاحب بھی فوراً آگے بڑھ آئے اور کانپتی آواز میں بولے:

''کیا ہوا خان صاحب؟''

''انجینئر صاحب غائب ہیں۔''

''انجینئر صاحب غائب ہیں... کیا مطلب؟'' آئی جی صاحب چونک اٹھے۔

''جی ہاں! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اس پل کا ٹھیکا انجینئر اکبر ہمدانی کو دیا گیا تھا اور وہ ہمارے ملک کے ایمان دار ترین انجینئر ہیں... لہٰذا ان کے بنائے ہوئے پل پر کوئی شک نہیں کیا جا سکتا... کل رات آخری بار انہوں نے پورے پل پر بار بار گاڑی چلا کر دیکھی تھی... اور ہر طرح کا اطمینان کر لینے کے بعد ہمیں رپورٹ دی تھی کہ پل ہر طرح درست ہے، لیکن اب یہ اطلاع ملی ہے کہ اکبر ہمدانی کا کہیں پتا نہیں چل رہا، جب کہ انہیں بھی اس وقت یہیں موجود ہونا چاہیے۔''

''حیرت ہے، پھر وہ کہاں چلے گئے۔''

''جب وہ یہاں اپنے ماتحتوں کے درمیان نہ پہنچے تو ان کے گھر فون کیا گیا... گھر سے جواب ملا کہ وہ تو کل رات سے گھر نہیں آئے، کل رات انہوں نے پل کو چیک کیا تھا، اس کے بعد وہ گھر کیوں نہیں پہنچے اور ہیں کہاں... یہ سوالات ذہن کو پریشان کیے دے رہے ہیں، ان کے نائب سلیم رانا بھی نہیں پہنچے۔''

''تب تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ رونل اپنا کام شروع کر چکا ہے اور ہمیں خبردار ہونا چاہیے... ''اکرام نے کہا۔

''سر! اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں پورے پل کا ایک چکر لگا لوں، اگرچہ یہ بات قاعدے اور قانون کے خلاف ہے، لیکن حفاظت کی خاطر ایسا کرنا ہی ہوگا... ''انسپکٹر جمشید بولے۔

''لیکن جمشید! تمہیں چیکنگ کرتے ہوئے دیکھ لیا جائے گا... اور اس طرح کھسر پھسر شروع ہو جائے گی۔''

''پھر آپ ہی بتائیے میں کیا کروں... اکبر ہمدانی صاحب کا پتا چل جائے تو بھی ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔''

''ہوں! میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے جمشید... تم رات کے وقت پل کو چیک کر سکتے ہو... ہم ایک آدھ منٹ کے لیے لائٹ آف کرا دیں... جونہی تاریکی ہو، تم پل پر پہنچ جانا اور روشنی ہونے تک اتنی دور پہنچ جانا کہ کوئی تمہیں دیکھ نہ سکے۔''

''یہ ترکیب اچھی رہے گی... میں اکیلا جاؤں گا، باقی لوگ یہیں رہیں گے... ''انسپکٹر جمشید بولے۔

''لیکن سر... پل پر خطرہ بھی ہو سکتا ہے... ''اکرام بولا۔

''فکر نہ کرو... میں دیکھ لوں گا... خیر تم بھی چلنا... اور اب ہمیں انتظامات کا جائزہ شروع کر دینا چاہیے... دوسرے یہ کہ اکبر ہمدانی اور سلیم رانا کی تلاش پورے شہر میں شروع کرا دینی چاہیے، آخر وہ کہاں ہیں... ان کے ساتھ کیا بیتی۔''

''ٹھیک ہے، اس کا انتظام میں ابھی کیے دیتا ہوں...'' آئی جی بولے... اور انسپکٹر جمشید، اکرام کو لے کر آگے بڑھے۔

اور پھر جونہی تاریکی پھیلی، پل کے دونوں طرف لگائی گئی لائٹیں جگ مگا اٹھیں، لیکن اس کے صرف چند منٹ بعد لائٹیں آف ہو گئیں... گھپ اندھیرا ہو گیا... یہی وقت تھا، جب انسپکٹر جمشید، اکرام کو ساتھ لے کر پل پر چلے گئے اور دبے پاؤں دوڑنے لگے... ایک منٹ بعد روشنی ہو گئی اور رنگ برنگے بلب جلنے اور بجھنے لگے... اتنی دیر میں وہ دونوں دور جا چکے تھے... اب کسی کی نظر ان پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ (جاری ہے)

بھوک کے دس فائدے

امتہ الرحمٰن۔ عیدگاہ رتیڑہ

امام غزالی رحمہ اللہ نے بھوک کے دس فائدے لکھے ہیں۔

1) دل کی صفائی ہوتی ہے۔ 2) دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔

3) بدن تندرست رہتا ہے۔ 4) آخرت کی بھوک یاد آتی ہے۔

5) گناہوں کا زور ٹوٹتا ہے۔

6) بھوکوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔

7) عبادت میں چستی آتی ہے۔ 8) نیند کم آتی ہے۔

9) اللہ کے راستے میں خرچ و خیرات کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

10) انسان کا تھوڑے کھانے میں گزارا ہو جاتا ہے۔ (خطبات فقیر جلد 26)

نیلاب پل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 4

وہ دوڑتے چلے گئے، یہاں تک کہ پل کے درمیان میں پہنچ گئے اور پھر انہیں ٹھٹک کر رک جانا پڑا... ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں... پل کے بیچوں بیچ ایک شخص تنا کھڑا تھا... گویا اُن کا راستہ روکنے کے لیے تیار تھا:

''کون ہو تم... اور یہاں کیا کر رہے ہو؟'' انسپکٹر جمشید نے بلا کی پھرتی سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔

''یہی سوال میں تم سے کرنا چاہتا ہوں... تم کون ہو اور ادھر کس لیے آئے ہو؟''

''مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں اور میں پل چیک کرنے آیا ہوں۔''

''اب چیکنگ کی کیا ضرورت پڑ گئی... اسے تو پہلے ہی چیک کیا جا چکا ہے۔''

''ہاں! ٹھیک ہے... سوال یہ ہے کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو... اور اب تک تم نے ہاتھ اوپر کیوں نہیں اٹھائے... کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میرے ہاتھ میں پستول ہے۔''

''دیکھ چکا ہوں... میں کھلونوں سے ڈرنے والا نہیں...'' وہ ہنسا۔

''کیا تم رونل ہو؟'' انسپکٹر جمشید بولے، کیونکہ انہوں نے آج تک رونل کو نہیں دیکھا تھا اور نہ اس کی کوئی تصویر دیکھی تھی، تاہم اس کا نام ضرور اکثر سننے میں آیا تھا... اس کی چالوں کے بارے میں سننے میں آیا تھا کہ بہت تیز ہوتی ہیں اور اچھے اچھے ان کے جال میں آجاتے ہیں۔

نہیں، میں رونل نہیں ہوں... نہ ہی اس نام کے کسی آدمی کو جانتا ہوں...'' اس نے اکڑ کر کہا۔

''تب پھر تمہارا تعلق دہشت پسند تنظیم سے ہوگا؟''

''ہاں! اب تم ٹھیک سمجھے، آؤ آگے بڑھو نا... وہیں کیوں رک گئے ہو۔''

انہیں اس کی جرأت پر حیرت ہو رہی تھی... آخر انسپکٹر جمشید بولے:

''اگر تم دہشت گرد ہو تو پھر تمہیں زندہ چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں... یہ لو...'' یہ کہہ کر انہوں نے فائر کر دیا... لمبا آدمی دھڑام سے گرا اور کچھ دور تک لڑھکتا چلا گیا، لیکن پھر اٹھ کھڑا ہوا... اب تو انہیں اور بھی حیرت ہوئی، کیونکہ گولی اس کے سینے میں لگتی نظر آئی تھی... گویا وہ بلٹ پروف لباس پہنے ہوئے تھا... انہوں نے ایک فائر اور کیا اور وہ پھر گرا، لیکن اس بار بھی اٹھ کھڑا ہوا:

''بلٹ پروف لباس پہن رکھا ہے تم نے... خیر... میں ہاتھوں سے لڑوں گا۔''

''آؤ آؤ... میں تو خود یہی چاہتا ہوں...'' وہ ہنسا۔

انسپکٹر جمشید اس کی طرف بڑھتے ہوئے دبی آواز میں بولے:

''اکرام... تم واپس دوڑ لگا دو... آئی جی صاحب کو خبر کر دو... پل پر گڑبڑ ہے۔''

''اور آپ؟''

''تم میری فکر نہ کرو... جاؤ جلدی کرو۔''

اکرام نے دوڑنا شروع کیا ہی تھا کہ منہ کے بل دھڑام سے گرا... انسپکٹر جمشید بوکھلا کر پلٹے اور دھک سے رہ گئے۔

O

''فاروق کے ذہن پر تو بس آج کیس سوار ہے، نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے...'' محمود بھنا کر بولا۔

''وہی جو اور دنوں میں تمہیں ہو جاتا ہے...'' فاروق نے منہ بنایا۔

''بھئی فاروق... مجھے تو دور دور تک کوئی کیس نظر نہیں آ رہا، تم ہی کچھ وضاحت کرو، کیس کہاں ہے...'' خان رحمان مسکرائے۔

''فرزانہ! تم نے اپنی رائے نہیں دی، تم چپ کیوں ہو۔'' فاروق اس کی طرف مڑا۔

''اس لیے کہ میرا بھی اب وہی خیال ہے، جو فاروق کا...'' فرزانہ نے جھینپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ارے یہ کیا، تم بھی اس کی ہم خیال بن گئیں...'' محمود تیز لہجے میں بولا۔

''ابھی کیا ہے، ابھی تو تم اور انکل بھی میرے ہم خیال ہو کر رہیں گے۔''

''اب اتنی ڈینگیں بھی نہ مارو...'' محمود بولا۔

''سنو! وہ بڑے میاں ٹرنک قلی کے ذریعے اندر لائے... مزدوری دینے کے لیے ان کے پاس چھوٹے نوٹ نہیں تھے، انہوں نے سو روپے کا نوٹ قلیوں کو دیا اور وہ اسے بھنانے چلے گئے... ان کے جانے کے ذرا دیر بعد ہی بڑے میاں ان کی تلاش میں نکل گئے... قلی تو واپس یہاں آ گئے، لیکن بڑے میاں نہیں آئے، آخر کیوں... کیا سو روپے کا نوٹ ان کے لیے اس ٹرنک سے بھی زیادہ قیمتی تھا... اس لیے میں کہتا ہوں، کیس شروع ہو چکا ہے، ہمیں اس ٹرنک کو کھول کر دیکھنا ہوگا... اس میں ضرور کوئی گڑبڑ گھٹالا ہے...'' فاروق روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

''تمہارے خیال میں اس ٹرنک میں کیا ہے۔'' خان رحمان پریشان ہو گئے۔

''جی پتا نہیں، لیکن میرا دل کہتا ہے، اس میں عام چیزیں نہیں، کوئی خاص چیز ہے۔''

''لیکن سوال تو یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں... زنجیر کھینچ کر پولیس کو بلوائیں یا پہلے خود ٹرنک کو کھول کر دیکھیں...'' خان رحمان بولے۔

''ٹرنک کھول کر دیکھنا مناسب نہیں ہوگا... پولیس کی موجودگی میں کھولا جانا چاہیے، ابھی ہم شہر سے زیادہ دور نہیں پہنچے

... ہوسکتا ہے، اس بڑے میاں کو گرفتار کرا سکیں... ''فاروق نے فوراً کہا۔

''تو پھر میں زنجیر کھینچ رہا ہوں... ''خان رحمان اٹھتے ہوئے بولے۔

''اب یہ کرنا ہی ہوگا۔''

ڈبے میں چند مسافر اور بھی سفر کر رہے تھے، یہ اسپیشل کلاس کا ڈبا تھا... صرف دس آدمیوں کے لیے تھا... ان کے علاوہ باقی مسافر اپنے اپنے خیالات میں غرق تھے اور شاید انہوں نے ان کی بات چیت سنی بھی نہیں تھی، لیکن جونہی خان رحمان نے زنجیر کھینچی، سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے:

''یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں، کیا آپ کا کچھ گر گیا ہے۔'' ایک مسافر چلایا۔

''نہیں، ہم میں سے کسی کا کچھ نہیں گرا، البتہ ایک مسافر کا ٹرنک یہاں موجود ہے اور وہ خود نیچے اتر گیا ہے... بڑی عجیب سی بات ہے کہ کوئی اپنا ٹرنک تو گاڑی میں رکھوا دے اور خود اتر جائے... ہمارا خیال ہے کہ اس میں ضرور کوئی غلط چیز ہے... ایسا نہ ہو کہ اس غلط چیز کے بارے میں ہم سے جواب طلب کر لیا جائے... ''خان رحمان جلدی جلدی بولے۔

''اوہ!'' وہ ایک ساتھ بولے۔

گاڑی آہستہ آہستہ ہوتے رک گئی، فوراً ہی ڈبے کا دروازہ کھلا اور گارڈ کے ساتھ ایک پولیس آفیسر اندر داخل ہوا:

''زنجیر یہاں کس نے کھینچی ہے؟'' گارڈ سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

''ہم نے۔''

''لیکن کیوں... آپ کا کیا گر گیا ہے۔''

''کچھ نہیں، ایک صاحب یہ ٹرنک اس ڈبے میں رکھ کر خود اتر گئے... ہمیں شک ہے کہ کہیں اس میں کوئی غلط چیز نہ ہو، اس لیے میں نے زنجیر کھینچ لی۔''

''لیکن کیوں... ''گارڈ چلایا۔

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، یہ اطلاع تو آپ اگلے اسٹیشن پر بھی دے سکتے تھے... ''پولیس آفیسر نے کہا۔

''نہیں جناب... گاڑی ابھی شہر سے دور نہیں گئی... مجرم ابھی اسٹیشن کے آس پاس ہی کہیں ہوگا... ہم اس کا حلیہ بھی بتا سکتے ہیں... لہٰذا اس کی گرفتاری کا امکان ہے... لیکن اگر ہم دیر کر دیتے تو پھر اس کی گرفتاری بہت مشکل ہو جاتی ...'' محمود جلدی جلدی بولا۔

''مجرم... تو آپ اس ٹرنک والے کو مجرم خیال کر رہے ہیں... ''پولیس آفیسر نے آنکھیں نکالیں۔

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ آدمی کسی ضرورت کے تحت گاڑی سے اترا ہو اور گاڑی چل پڑی ہو اور وہ جلدی میں کسی اور

ڈبے پر سوار ہو گیا ہو۔"

"ہاں بالکل! اس کا بھی امکان ہے... اور اب چونکہ گاڑی رک گئی ہے... اس لیے اسے اتر کر اس ڈبے میں آ جانا چاہیے تھا..." فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے... خیر... ہم ایک منٹ انتظار کر لیتے ہیں، اس کے بعد اس ٹرنک کو پولیس کے ڈبے میں پہنچا دیا جائے گا۔"

"پولیس کے ڈبے میں... لیکن ہم چاہتے ہیں، اسے ہمارے سامنے کھولا جائے..." فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے... ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کریں گے..." پولیس آفیسر بولا۔

"بہتر ہوگا... اس ٹرنک کو ہمارے سامنے کھولا جائے..." محمود نے جلدی سے کہا۔

"سوری... جواب دہ ہم ہیں، لہٰذا کام بھی ہم اپنی مرضی سے کریں گے۔"

"لیکن جناب! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس ٹرنک میں بہت سی قیمتی چیزیں ہوں..." فاروق بولا۔

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے..." پولیس آفیسر نے بھنا کر کہا۔

"اس صورت میں بہتر یہی ہوگا کہ سب کے علم میں آ جائے، ٹرنک میں سے کیا کچھ نکلا ہے۔"

"ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے... آپ آرام سے بیٹھیں رہیں اور ہمیں اپنا کام کرنے دیں... بصورت دیگر آپ کو گاڑی سے اتار دیا جائے گا، کیونکہ آپ گاڑی میں بیٹھے تمام مسافروں کا وقت ضائع کرنے پر تل گئے ہیں..." گارڈ نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے... تو پھر لے جائیے اس ٹرنک کو اٹھا کر..." محمود نے بھنا کر کہا۔

گارڈ کے اشارے پر گاڑی سے باہر موجود ان کے ماتحتوں نے ٹرنک نیچے اتارا اور انجن کے ساتھ لگے ڈبے کی طرف بڑھ گئے، جونہی ٹرنک اوپر رکھا گیا، گاڑی چل پڑی:

"لو بھئی... اچھا بھلا کیس ہاتھ لگ گیا تھا... ہم نے اسے گنوا دیا..." فاروق نے سرد آہ بھری۔

"آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے فاروق... تم کام کرنے کے اتنے شوقین کب سے بن گئے ہو... جب کہ عام طور پر تم کیسوں سے جی چراتے نظر آتے ہو... یہ کیا تک ہے..." خان رحمان نے منہ بنا کر کہا۔

"اس کی وجہ ہے انکل... بہت خاص وجہ..." فاروق پراسرار لہجے میں بولا۔

"ذرا ہم بھی تو سنیں... وہ وجہ کیا ہے۔"

"میں نے دراصل..." فاروق نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ گاڑی کو ایک بار پھر بریک لگا اور وہ آہستہ ہونے لگی... بقیہ مسافروں نے بھی چونک کر ان کی طرف دیکھا، لیکن وہ تو چاروں اپنی سیٹ پر بیٹھے تھے... انہیں اپنی طرف دیکھتے پا

کر فاروق مسکرا کر بولا:

''آپ غلط سمجھے... اس مرتبہ زنجیر ہم میں سے کسی نے نہیں کھینچی... ہاں! ہمارے فرشتوں نے کھینچی ہو تو ہم کہہ نہیں سکتے... یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زنجیر خود بخود کھنچ گئی ہو۔''

''زبان ہے یا قینچی...'' فرزانہ بھنا کر بولی۔

اسی وقت ڈبے کا دروازہ پھر کھلا اور وہی گارڈ اور وہی پولیس آفیسر اندر داخل ہوئے، ان کی تیز نظریں ان چاروں پر جم گئیں:

''خیر تو ہے، آپ لوگ ہمیں اس طرح کیوں گھور رہے ہیں، دوسرے لفظوں میں کھا جانے والی نظروں سے کیوں گھور رہے ہیں...'' فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

''تم چاروں کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔''

''کیوں... کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔''

''غلطی نہیں... جرم... چلو اٹھو۔''

''یا اللہ رحم... یہ تو الٹا ہمیں ہی مجرم بنائے دے رہے ہیں...'' فاروق نے کراہ کر کہا۔

آخر وہ ان کے ساتھ ڈبے سے نکلے اور پولیس والے حصے میں داخل ہوئے... یہاں ساری سیٹوں پر پولیس موجود تھی... فرش پر وہی ٹرنک رکھا تھا، لیکن اب وہ کھلا تھا... ان کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھیل گئیں، کیونکہ اندر ایک آدمی کی مڑی تڑی لاش موجود تھی۔ (جاری)

مسکراہٹ پھول

☆ سردار جوتوں کی دکان پر آیا اور آتے ہی غصے کے عالم میں کہنے لگا: ''بڑی گارنٹیاں دے رہے تھے، جوتوں نے دو دن بھی نہیں نکالے۔''

دکان دار نے حیران ہو کر پوچھا:

''سردار جی! ہوا کیا ہے۔''

سردار نے جواب دیا:

''اٹھا لے گیا کوئی۔''

☆ سردار! تمہارے نتیجے کا کیا بنا؟

بیٹا! مس نے کہا ہے کہ

نیلاب ہوٹل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 5

''کیا آپ کو یقین ہے... وہ آئے گا۔''

''ہاں! اس کے الفاظ یہی کہہ رہے ہیں، بہر حال وہ آئے یا نہ آئے... ہمیں اپنا انتظام ضرور مکمل کر لینا چاہیے۔''

''لیکن شکیلہ بہن! اس کا تو سیدھا سادا طریقہ یہ ہے کہ ہم گھر کے دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لیں اور بس۔''

''یہ کوئی علاج نہیں... آج کل ایسے ایسے آلات بن چکے ہیں کہ دروازے میں سوراخ منٹوں میں کر لیا جاتا ہے اور اس کے اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی گرا دی جاتی ہے۔'' اس نے کہا۔

''اوہ! گویا ہمیں ان سے مقابلہ کرنا ہوگا۔'' بیگم شیرازی گھبرا گئیں۔

''نظر یہی آتا ہے۔'' انھوں نے کہا۔

لیکن آپ کسی نہ کسی کو تو مدد کے لیے بلا ہی سکتی تھیں؟

''میں نے بتایا ہے نا... پولیس کو بلا کر کام خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔''

انھوں نے قریباً ایک گھنٹا باورچی خانے میں صرف کیا... پھر صحن میں آ کر بیٹھ گئیں... رات کا کھانا کھانے کے ایک گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی... دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر دبے پاؤں دروازے تک آئیں، اسی وقت پھر دستک ہوئی۔

''کون ہے؟'' بیگم جمشید بولیں۔

''دروازہ کھولیے... ٹیلی گرام ہے۔''

''اوہ... ٹیلی گرام کو دروازے کے نیچے سے اندر سرکا دو۔''

''دروازہ کھولے بغیر کام نہیں چلے گا، کیونکہ دستخط بھی کرانے ہوتے ہیں۔''

''افسوس! رات کا وقت ہے، میرے شوہر اور بچے گھر میں نہیں ہیں... دروازہ کس طرح کھول سکتی ہوں... آپ ٹیلی گرام صبح لے آیئے گا۔'' انھوں نے کہا۔

''لیکن ٹیلی گرام اہم بھی ہو سکتا ہے، کیا خبر اس میں کسی کی وفات کی خبر ہو۔'' باہر سے کہا گیا۔

''اللہ مالک ہے۔'' وہ بولیں۔

''لیکن مشکل یہ ہے کہ مجھے یہ ٹیلی گرام اسی وقت دے کر جانا ہے... صبح میری چھٹی ہے۔''

''تب پھر اسے اندر سرکا دو، جس کاغذ پر دستخط لینے ہیں، اسے بھی نیچے سرکا دو۔''

''وہ کاغذ نہیں، ایک موٹی کاپی ہے... اس جھری میں سے نہیں گزر سکتی۔'' باہر سے کہا گیا۔

''ہوں، تو پھر سُن لو، دروازہ بھی نہیں کھلے گا... مسٹر رونل۔'' بیگم جمشید چیخ کر بولیں۔

''تو یہ بات ہے... تم جان گئی ہو کہ دروازے کے ادھر کون ہے... اگر یہ بات ہے تو لو... میں اندر آ رہا ہوں... ہمت ہو تو روک کر دکھاؤ۔''

''میں انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ بولیں۔

اور ان کا دل دھک دھک کرنے لگا... انھوں نے بیگم شیرازی کے کان میں کچھ کہا اور پھر سونی کے پاس آئیں... وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کے کمرے کے دروازے پر بیٹھی اونگھ رہی تھی... انھوں نے اسے تھپکی دی تو چونک کر اُٹھ کھڑی ہوئی:

''سونی... باہر خطرہ ہے... ہوشیار ہو جاؤ۔'' یہ کہتے وقت انھوں نے انگلی اور انگوٹھے سے تین بار چٹکی بجائی۔ چٹکی کی آواز سونی کے لیے ایک اشارہ تھا... اس کے جسم کے بال یک دم کھڑے ہو گئے اور وہ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی... ادھر سے ہلکی سی گھر گھر کی آواز آ رہی تھی... گویا انھوں نے دروازے میں سوراخ کرنے کا پروگرام شروع کر دیا تھا... وہ اور بیگم شیرازی یہ دیکھ کر فوراً باورچی خانے کی طرف چلی گئیں... اور دروازہ بند کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گئیں... ٹھیک آدھ گھنٹے کے بعد چٹخنی گرنے کی آواز سنائی دی... ادھر باورچی خانے میں آواز اُبھری:

''ہوشیار... انھوں نے دروازہ کھول لیا ہے۔''

''فکر نہ کریں... میں پوری طرح تیار ہوں۔''

عین اسی وقت انھوں نے بلی کی چنگھاڑ سُنی... جونہی دروازہ کھلا اور دونو جوان آدمی اندر داخل ہوئے، سونی نے ان پر چھلانگ لگائی اور اپنے تیز نوکیلے ناخنوں سے ان میں سے ایک کا چہرہ نوچتے ہوئے دوسری طرف گر گئی... یہی نہیں... گرتے ہی پلٹی اور دوسرے پر چھلانگ لگائی... حملہ آور پہلے ہی بوکھلا چکے تھے، کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا راستہ روکنے والی ایک بلی ہو گی... دوسرے کا چہرہ بھی خون آلود ہو گیا... اب جو وہ تلملا کر بلی کی طرف جھپٹے... اس نے دو تین چھلانگیں لگائیں... اور محمود، فاروق اور فرزانہ والے کمرے میں گھس گئی، دونوں حملہ آور اس کمرے میں داخل ہوئے تو بلی اندر کہیں بھی نظر نہیں آئی۔

''ارے! یہ بلی کہاں چلی گئی؟'' ایک نے اپنے چہرے پر رومال رکھتے ہوئے کہا۔

''اُف... زخموں میں کس قدر تکلیف ہو رہی ہے۔'' دوسرا کراہا۔

''آؤ بلی کو چھوڑ دو... ہمیں تو بیگم جمشید کو تارے دکھانے ہیں۔''

بیگم جمشید نے یہ جملہ صاف سُنا، انھوں نے گھبرا کر منہ چھت کی طرف کیا، لیکن وہاں تارے کہاں تھے... دونوں حملہ آور انھیں تلاش کرتے آخر باورچی خانے کے دروازے پر آ گئے، یہ دروازہ بند تھا:

''تو تم اس کمرے میں ہو... اس دروازے کو کھولنا ہمارے لیے بھلا کیا مشکل ہوگا۔''

یہ کہہ کر انھوں نے ابھی ایک تھیلے میں ہاتھ ڈالے ہی تھے کہ ان کے سروں پر کوئی گرم گرم چیز گری:

''ارے مرا۔'' ایک نے چیخ کر کہا۔

''ہائے، یہ کیا ہوا۔''

دونوں بری طرح چیخنے اور اُچھلنے کودنے لگے۔

''بھئی صرف پانی ہے... کھولتا ہوا پانی... ہاں میں نے اس میں نمک ضرور شامل کر دیا ہے، تاکہ اس گھر کا نمک تمہارے خون میں شامل ہو جائے اور تم نمک حرامی نہ کر سکو... نمک والا پانی تمہارے خون کو لگ رہا ہے نا۔'' بیگم جمشید کی شوخ آواز گونج اٹھی... اس کے ساتھ ہی پانی کی دھار موٹی ہو گئی... دونوں نے جلدی سے صحن کی طرف چھلانگیں لگائیں اور اس طرح صحن تک پہنچ گئے... یہاں کرسیاں موجود تھیں... ہانپتے ہانپتے ان پر بیٹھے ہی تھے کہ اُچھل کر کھڑے ہو گئے... کرسیوں پر کیلیں لگے دو تختے رکھے تھے، ان پر ریشمی کپڑے بچھا دیے گئے تھے، گویا دونوں حملہ آور ان کیلوں پر بیٹھ گئے تھے، پھر وہ اُچھل نہ پڑتے تو کیا کرتے... اب وہ بری طرح تڑپ رہے تھے۔

''غسل خانے میں جا کر اپنے زخم دھو لیں... ذرا سکون ملے گا... مجھے آپ لوگوں سے ہمدردی ہے، آپ کے ساتھ اتنا سخت سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا... آپ تو صرف ٹیلی گرام لے کر آئے تھے۔'' بیگم جمشید افسوس زدہ لہجے میں بولیں۔

دونوں اندھا دھند اُٹھے اور غسل خانے میں گھس گئے... فوراً ہی باورچی خانے کا دروازہ کھلا اور بیگم جمشید تیر کی طرح باہر نکل کر غسل خانے کے دروازے تک پہنچ گئیں... دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ بند کر چکی تھیں... انھوں نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا:

''باہر آ جاؤ بہن... ہم اپنا کام مکمل کر چکے ہیں... اب یہ دونوں غسل خانے کا دروازہ نہیں کھول سکیں گے، کیونکہ اپنا تھیلا باہر ہی چھوڑ گئے ہیں اور بغیر تھیلے کے دروازہ کھولنا ذرا مشکل ہوگا۔''

ساتھ ہی وہ فون پر جھک گئیں... ریسیور رکھ کر مڑی تھیں کہ فون کی گھنٹی بجی۔ (جاری ہے)

نہ گھبرا تسلی رکھ

انجینئر آصف مجید۔ لاہور

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ حج کا زمانہ تھا۔ مریدین خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔

نیلا اب پُل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 6

سب انسپکٹر اکرام اور انسپکٹر جمشید پر حملہ کرنے والے اکٹھے چھ آدمی تھے، چھے کے چھے نے ان پر ایک ساتھ حملہ کیا تھا، یہی دیکھ کر انسپکٹر جمشید بوکھلا اُٹھے تھے... وہ فوراً ہی ان کی طرف بڑھے، ساتھ ہی انھوں نے پیچھے سے حملہ ہوتے محسوس کیا... اچانک انھوں نے خود کو نیچے گرا دیا اور پُل کے جنگلے کی طرف لڑھک گئے، نتیجہ یہ کہ وہ لمبا آدمی جو پیچھے سے ان پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ چکا تھا، اپنے ہی ساتھیوں سے ٹکرا گیا، اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکلی... کیونکہ اب ان کے ہاتھوں میں خنجر نظر آ رہے تھے، اکرام پر حملہ کرتے وقت ان کے ہاتھوں میں خنجر نہیں تھے... ان کا ساتھی انھی کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُتر چکا تھا... وہ سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے... انسپکٹر جمشید نے ان کی اس حالت سے فائدہ اٹھایا اور لیٹے ہی لیٹے پستول نکال کر ان پر فائرنگ کر دی... وہ تڑتڑا کر گرتے چلے گئے... صرف چند سیکنڈ میں میدان صاف تھا، اب وہ بے تابانہ انداز میں اکرام کی طرف مڑے:

''اکرام تم ٹھیک تو ہو؟''

لیکن اکرام کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا... اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا... انھوں نے تیزی سے اسے اُٹھا کر کندھے پر ڈالا اور واپس بھاگے، آئی جی صاحبان اور دوسرے ذمے دار آفیسرز کی نظریں پہلے ہی اس طرف جمی تھیں، انھوں نے دور سے ایک شخص کو دوسرے کو کندھے پر لاد کر آتے دیکھا تو سب ہوشیار ہو گئے، پستول ہاتھ میں چمکنے لگے، لیکن جونہی وہ نزدیک پہنچے، انھوں نے پہچان لیا:

''اُف اللہ! یہ تو انسپکٹر جمشید ہیں۔''

سب ان کی طرف دوڑ پڑے:

''یہ... یہ کیا ہوا جمشید؟''

''حملہ... پُل کے درمیان میں چھ حملہ آور موجود تھے... سب سے پہلے تو اکرام کو ہسپتال پہنچانا ہے۔''

''اوہ ہاں... ٹھہرو، میں ایمبولینس کو اشارہ دیتا ہوں۔'' آئی جی بولے۔

کچھ فاصلے پر ایمبولینس کھڑی تھیں... آئی جی کے اشارے پر ان میں سے ایک تیر کی طرح ادھر آئی اور اکرام کو لے کر چلی گئی۔

''ہاں جمشید! اب بتاؤ... کیا ہوا تھا؟''

انھوں نے تفصیل سنا دی... اب بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی... اس لیے اس کے لیے کوشش کی بھی نہیں گئی... سادہ

لباس والے فوراً پل کے درمیانی حصے کی طرف روانہ ہو گئے۔

''حیرت ہے... آخر ان لوگوں کا پروگرام کیا تھا؟'' آئی جی نے کہا۔

''صدر صاحب کی کار پر فائرنگ کرنے کے سوا اور کیا پروگرام ہو سکتا تھا، خدا کا شکر ہے کہ ہم نے بروقت جا کر دیکھ لیا۔''

''خیر... اب تو پل صاف ہو گیا ہے نا۔''

''خیال تو یہی ہے، لیکن جب تک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا کر دیکھ نہ لوں... یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''تب پھر جمشید... یہ کام بھی کر ہی ڈالو۔''

''جی ہاں... کیوں نہیں۔''

انھوں نے کہا اور پاس ہی موجود محمد حسین آزاد حوالدار کو ساتھ لے کر پل پر چلنے لگے... کافی دور جا کر انھیں سادہ لباس والوں کی پارٹی نظر آئی... وہ حملہ آوروں کی لاشوں کو اٹھا کر لا رہی تھی:

''سب مر گئے یا ان میں سے کوئی زندہ بھی ہے؟''

''ایک میں زندگی کے آثار ہیں۔''

''اس کا بیان لینے کی پوری کوشش کی جائے... یہ لوگ کیا ارادہ رکھتے تھے۔''

''او کے سر!'' ایک نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

انھوں نے پل کے دوسرے سرے تک کا جائزہ لیا اور پھر پوری طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد واپس لوٹے۔

''اس زخمی کا کیا بنا؟'' انھوں نے ایک سادہ لباس والے سے پوچھا۔

''ہسپتال پہنچنے کے صرف چند منٹ بعد وہ مر گیا... مرنے سے پہلے اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور کچھ کہنے کی کوشش کی تھی، لیکن کوئی واضح لفظ نہیں کہہ سکا۔''

''واضح لفظ نہیں کہہ سکا... آپ کا مطلب ہے، اس نے ایک دو غیر واضح لفظ بولے تھے۔''

''یس سر... اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ ٹیپ کر لیے گئے ہیں... آپ ٹیپ سن لیجیے گا... اس کے منہ سے پپ... پپ... خخ... خخ... بس یہ الفاظ نکل سکے تھے۔''

''پپ خخ۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''جی ہاں! ہم نے بغور ٹیپ کو سنا ہے... بالکل یہی الفاظ تھے۔''

''ہوں... پپ خخ۔'' انھوں نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

''نہ جانے کیوں انھیں بے چینی سی محسوس ہونے لگی... آخر اپنی جیپ میں بیٹھ کر انھوں نے گھر کے نمبر ڈائل کیے۔''

''ہیلو بیگم... تم خیریت سے تو ہو؟''

''آپ کو میرے بارے میں کس طرح خیال آ گیا۔'' وہ بولیں۔

''کیا مطلب... کیا ادھر بھی کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے۔'' وہ چونک کر بولے۔

''جی ہاں... کافی خوف ناک گڑبڑ تھی، لیکن اللہ کا شکر ہے، میں نے بیگم شیرازی کی مدد سے قابو پا لیا... اب دونوں حملہ آوروں کو پولیس کے حوالے کرنے کی تیاری کر رہی ہوں۔''

''اوہو اچھا... تب تو ٹھہرو... میں خود آ رہا ہوں... مجھے ان سے کچھ پوچھنا ہے۔''

''جی بہتر۔'' وہ بولیں۔

''معاف کیجیے گا سر... میں چند منٹ کے لیے گھر جا رہا ہوں، ادھر بھی دو آدمی حملہ کر چکے ہیں... میں ذرا ان سے سوالات کروں گا۔''

''تو ان پر قابو پا لیا گیا؟'' آئی جی گھبرا کر بولے۔

''جی ہاں... یہ کارنامہ بیگم نے انجام دیا ہے۔'' انھوں نے مسکرا کر کہا اور جیپ میں بیٹھ گئے۔

''بہت جلد واپس آنے کی کوشش کرنا جمشید... میں بہت فکر مند ہوں... خدا جانے یہ ہو کیا رہا ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں... میں ابھی آیا۔'' وہ بولے اور جیپ چلا دی۔

گھر پہنچے ہی تھے کہ اسی وقت پولیس جیپ وہاں پہنچ گئی:

''ہمیں فون ملا تھا سر کہ یہاں دو حملہ آور زخمی حالت میں موجود ہیں۔'' ایک آفیسر نے کہا۔

''ہاں! میں بھی انھی کے لیے آیا ہوں... آیئے... میں ذرا ان سے چند سوالات کروں گا... اس کے بعد آپ ان دونوں کو لے جا سکتے ہیں۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

وہ اندر داخل ہوئے... دونوں حملہ آور ابھی تک بُری طرح چیخ اور چلا رہے تھے، پہلے تو انھوں نے حملے کی تفصیلات سنیں اور مسکرا کر رہ گئے، پھر ان کی طرف مڑے:

''کیوں بھئی... تم میں سے رونل کون ہے؟''

''کوئی بھی نہیں . . . ہم تو دراصل رونل کے چمچے ہیں۔''

''اور رونل خود کہاں ہے؟''

''ہمارے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں۔'' ایک نے کہا۔

''تب پھر کس کے فرشتوں کو معلوم ہے۔'' وہ بولے۔

''ہم کیا جانیں۔''

''اگر تم نے سیدھی طرح نہ بتایا تو ہمیں سختی کرنا ہوگی۔''

''جو بات معلوم ہی نہیں، بتائیں کس طرح۔''

''گویا تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ روفل کے لیے کام کر رہے ہو۔''

''ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔''

''تم نے اس کے لیے کس طرح کام کرنا شروع کیا اور کب سے کر رہے ہو؟''

''صرف بیس دن سے... اس نے خط کے ذریعے ہم سے رابطہ قائم کیا تھا... جواب میں ہم سے کوئی خط نہیں مانگا کہ ہم اس کا پتا بتا سکیں... اب وہ پبلک فون بوتھوں کے ذریعے بات چیت کرتا ہے۔''

''ہوں . . . اس نے تم سے اور کیا کیا کام لیے ہیں؟''

''پہلا کام یہی ہے... حکم ملا تھا کہ آپ کے گھر میں تباہی مچا دی جائے... چیزیں توڑ پھوڑ دی جائیں، نقدی اور زیورات لوٹ لیے جائیں۔''

''ہوں... خیر... فی الحال تم سرکاری مہمان خانے میں رہو، پھر بات کروں گا... ہوسکتا ہے، تم مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو۔''

''نہیں... ہم نے ایک ایک بات سچ سچ بتا دی ہے۔'' ان میں سے ایک نے فوراً کہا۔

''بھئی اب اتنا بھی جھوٹ نہ بولو۔'' وہ مسکرائے۔

''جی کیا مطلب؟'' دونوں چونک اٹھے۔

''تم نے کہا ہے، اس نے بیس دن پہلے تم سے رابطہ قائم کیا تھا... اور یہ کہ پندرہ دن میں یہ پہلا کام اس نے تم سے لیا ہے... کیا تم دونوں یقین سے کہہ سکتے ہو کہ اس نے تم سے اس کام کے علاوہ اور کوئی کام نہیں لیا۔'' ان کا لہجہ سرد ہو گیا۔

دونوں کے رنگ اڑتے نظر آئے . . . اور منہ بھنچ گئے:

''تو اس نے تم سے کوئی اور کام بھی لیا ہے... اور تم اس کام کی تفصیلات نہیں بتا سکتے... کیوں یہی بات ہے نا۔'' وہ تیز آواز میں بولے۔ اس پر بھی انھوں نے جواب نہ دیا۔

''خیر... میں دیکھوں گا، تم کب تک منہ بند رکھتے ہو... انسپکٹر صاحب انھیں پولیس اسٹیشن لے چلیے... جونہی مجھے وقت ملا، آ کر ان سے بات کروں گا۔''

''او کے سر!''

وہ ان دونوں کو لے کر چلے گئے تو انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے:

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے بہت اچھی طرح ان لوگوں کا سامنا کیا... میں بیگم شیرازی کا بھی شکر گزار ہوں... اور سونی کو بھی شاباش دیتا ہوں، لیکن اس وقت بہت جلدی میں ہوں... خدا حافظ۔''

وہ وہاں سے پھر پُل کے پاس پہنچے... کوئی اور نئی بات سامنے نہیں آئی تھی... گھر میں ہونے والی واردات کے بارے میں انھوں نے آئی جی صاحبان کو بتانا مناسب نہیں سمجھا، وہ اور پریشان ہو جاتے، ایسے میں شیخ صاحب بولے:

''بھئی جمشید... عجیب بات ہے۔''

''جی... کون سی عجیب بات سر؟''

''آج محمود، فاروق اور فرزانہ تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہے؟''

انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا، پھر مسکرا کر بولے:

''وہ خان رحمان کے ساتھ ٹرین کا سفر کرنے گئے ہیں۔''

''ٹرین کا سفر... کیا مطلب؟''

''جی... ٹرین کا سفر... میرا مطلب ہے، انھوں نے ٹرین کے سفر کا پروگرام بنایا تھا۔''

''اوہ اچھا... اب کیا پروگرام ہے پُل پر جو خطرہ تھا، وہ تو ختم ہو چکا ہے۔''

''جی ہاں، لیکن میں ایک مرتبہ اور پورے پُل کو چیک کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ اس وقت تک میں نے صرف نصف پُل کو چیک کیا ہے۔''

''ہوں... ٹھیک ہے... تم جاؤ اور پورے پُل کو چیک کر کے رپورٹ دو... اور ہاں ساتھ کچھ سادہ لباس والوں کو لے جاؤ . . . کیا خبر ابھی کچھ اور لوگ موجود ہوں۔''

''جی بہتر!'' وہ بولے، اپنے ساتھ دس سادہ لباس والے لیے اور پُل پر قدم اٹھانے لگے... یہاں تک کہ پُل کے درمیان میں پہنچ گئے... اسی جگہ تھوڑی دیر پہلے ایک خونی جھڑپ ہوئی تھی... اب وہ اس جگہ سے آگے بڑھے... اور پُل کے دوسرے سرے تک ہو آئے، لیکن کہیں کسی گڑبڑ کے آثار نظر نہیں آئے... ہر طرح اطمینان کرنے کے بعد آخر وہ واپس پلٹے اور پھر حیرت زدہ رہ گئے۔ (جاری ہے)

ماں باپ کا پیغام

ماریہ الماس بنت محمد عارف۔ گوجرانوالہ

☆ جس دن تم ہمیں بوڑھا دیکھو،
صبر کرنا اور ہمیں سمجھنے کی کوشش کرنا۔

☆ جب ہم کوئی بات بھول جائیں،
تو ہم پر طنز نہ کرنا اور اپنا بچپن یاد کرنا۔

☆ جب ہم بوڑھے ہو کر چل نہ پائیں تو
ہمارا سہارا بننا اور اپنا پہلا قدم یاد کرنا۔

☆ جب ہم بیمار ہو جائیں تو وہ دن یاد کر کے ہم پر پیسے خرچ کرنا جب ہم تمہاری خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی خواہشیں قربان کرتے تھے۔

نیلا ب پُل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 7

''ارے باپ رے... یہ... یہ تو کسی کی لاش ہے۔'' فاروق بری طرح ہکلایا۔

''تو ہم کب کہہ رہے ہیں، یہ کوئی زندہ انسان ہے اور ٹرنک میں مزے سے سو رہا ہے۔'' پولیس آفیسر نے منہ بنایا۔

''خ... خیر... سوال یہ ہے کہ آپ ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں؟''

''اس لاش کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے... آخر تم نے اس بے چارے کو کیوں قتل کیا۔'' اس نے کہا۔

''ارے! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب... ہم تو آپ لوگوں کو اس ٹرنک کے بارے میں بتانے والے ہیں... اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ ایک بڑے میاں اس ٹرنک کو لے کر آئے تھے، اگر یقین نہیں تو اسٹیشن کے قلی اس بات کی گواہی دیں گے... کیا سمجھے۔'' محمود نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔

''خیر... یہ بعد کی بات ہے... میں گواہیاں بھی لے لوں گا، پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ آپ نے اسے قتل کیوں کیا ہے؟''

''ہائیں، پھر وہی... آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب... ہم بھلا اسے کیوں قتل کرتے... ہم آپ کو بتا چکے ہیں، یہ ٹرنک ہمارا نہیں، ہم تو آپ لوگوں کی توجہ اس ٹرنک کی طرف دلانے والے ہیں۔''

''میں کس طرح مان لوں۔''

''نہ مانیے۔'' خان رحمان کو غصہ آ گیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ بھنا کر بولا۔

''آپ لوگ ہمیں نہیں جانتے، کیونکہ آپ ریلوے پولیس سے تعلق رکھتے ہیں... بہتر ہوگا کہ شہری پولیس کو بلا لیں... اور یہ معاملہ ان کے سپرد کر دیں۔''

''یہ تو خیر کرنا ہی ہوگا۔''

''بلکہ اس سے بھی پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ یہ شخص جو ٹرنک میں مڑا تڑا پڑا ہے... بے چارہ ہے کون۔''

''جی نہیں، شہری پولیس آ کر ہی کارروائی کرے گی... یہ ہمارا کام نہیں۔''

''بس تو پھر جواب بھی ہم انھی کو دے دیں گے۔''

''ہوں! یہ بھی ٹھیک ہے۔''

آخر پولیس کو فون کیا گیا، معاملہ ان کے سپرد کیا گیا، جونہی ان کا پولیس سے آمنا سامنا ہوا، وہ چونک اُٹھے:

''اوہو! یہ تو آپ لوگ ہیں۔''

''جی ہاں! اس بات کو چھوڑیے... سب سے ضروری بات یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ بے چارہ ہے کون؟''

''ہاں... واقعی... ٹھہریے پہلے تو اسے ٹرنک سے نکلواتا ہوں۔''

اس وقت تک ٹرنک میں اس کی تصاویر لی جا چکی تھیں، اب اسے باہر نکالا گیا... جیبوں کی تلاشی لی گئی، لیکن شاید قتل کرنے والوں نے پہلے ہی اس کی جیبیں خالی کر دی تھیں... انھیں کچھ بھی نہ ملا:

''اب اس کے بارے میں کس طرح معلوم ہو؟''

''اب تو یہ بات کل ہی معلوم ہو سکے گی... جب اخبارات میں خبریں شائع ہوں گی۔''

''لیکن کل میں تو ابھی بہت دیر ہے جناب۔'' فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

''تب پھر آپ ہی بتائیے... ہم کس طرح معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ کس کی لاش ہے؟'' پولیس آفیسر نے کہا۔

''ہوں، یہ بھی ٹھیک ہے۔'' محمود بولا۔

''لیکن محمود... مجھے اس شخص کا چہرہ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے۔''

''ارے... کیا واقعی۔'' فاروق چونک اُٹھا۔

''اور تم چونکے کیوں۔'' فرزانہ نے منہ بنایا۔

''اس لیے کہ میں خود بھی یہی بات محسوس کر رہا تھا۔''

''پھر تو ذہنوں پر زور دو... تم دونوں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔'' محمود بے چین ہو گیا۔ پولیس آفیسر بھی ان کی طرف دیکھنے لگا، ایسے میں محمود نے چونک کر کہا:

''اوہو... خود مجھے بھی یہ محسوس ہونے لگا کہ اسے کہیں دیکھا ہے... اور حال ہی میں دیکھا ہے... اوہ... اوہ... یہاں ایک آدھ ہفتے کے اخبارات ہوں گے؟''

''ہاں! مل جائیں گے۔'' ریلوے کے پولیس آفیسر نے کہا۔

''مہربانی فرما کر ذرا لا دیجیے... شاید یہ معمہ اسی وقت حل ہو جائے۔''

''اچھی بات ہے۔''

ان کے سامنے آٹھ دن کے اخبارات ڈھیر کر دیے گئے، وہ ان کی ورق گردانی کرنے لگے اور پھر ایک تصویر پر ان کی نظریں جم گئیں... ساتھ ہی وہ بری طرح اُچھلے... ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں:

O

انھوں نے دیکھا، پُل کے دوسری طرف اسی وقت خان رحمان کی کار آ کر رُکی تھی اور اس میں سے وہ چاروں اُتر رہے

تھے:

''بھئی خیر تو ہے... تم لوگ تو ٹرین کا سفر کرنے گئے تھے... اور فاروق کے خیال کے مطابق وہاں ایک عدد کیس سے بھی ملاقات ہونی تھی، اس کا مطلب ہے... فاروق کا خیال غلط نکلا، لیکن نہیں... تم لوگوں کے یہاں آنے کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ تمہیں کوئی کیس پیش آچکا ہے۔''

''آپ کا دوسرا خیال ٹھیک ہے ابا جان۔'' فاروق سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''لیکن تم اس قدر سنجیدہ کیوں نظر آرہے ہو؟''

''ایک بہت ہی سنگین معاملہ ہے ابا جان۔''

''ارے تو جلدی کہو نا... یہاں تو پہلے ہی سنگین پر سنگین معاملے پیش آرہے ہیں۔'' وہ پریشان ہو کر بولے۔

''کیا مطلب... سنگین پر سنگین... یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمشید؟'' خان رحمان دھک سے رہ گئے۔

''ہاں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' اتنا کہہ کر انھوں نے پُل پر ہونے والی لڑائی اور گھر پر ہونے والی جھڑپ کا حال کہہ سنایا۔

''اف اللہ... یہ کیا ہو رہا ہے؟'' خان رحمان بڑبڑائے۔

''اور اب تم کیا خبر لے کر آئے ہو؟''

''ٹرین میں ایک ٹرنک رکھوایا گیا، رکھوانے والا فوراً ہی غائب ہو گیا... ہم نے اس ٹرنک کی طرف ریلوے پولیس کی توجہ دلائی... آخر اسے کھول کر دیکھا گیا تو اس میں ایک لاش موجود تھی۔'' محمود جلدی جلدی بولا۔

''ارے باپ رے... ٹرنک میں لاش۔'' انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے، کیونکہ پہلے ہی سات لاشوں سے ملاقات ہو چکی تھی۔

''جی ہاں! یوں یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔'' فاروق نے اب بھی مسکرائے بغیر کہا۔

''اور وہ لاش کس کی تھی؟''

''اس پُل کے انجینئر اکبر ہمدانی کی۔''

''کیا!!!'' انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

''جی ہاں! اس میں اب کوئی شک نہیں... ہم اخبارات میں شائع ہونے والی اکبر ہمدانی کی تصاویر سے اس کے چہرے کو ملا چکے ہیں۔''

''میں شک کی بات نہیں کر رہا... اس بات پر تو فوراً ہی یقین آچکا ہے، کیونکہ اکبر ہمدانی کی گم شدگی کی اطلاع ہمیں پہلے ہی مل چکی ہے... میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے... پہلے پُل پر سات آدمیوں نے ہم پر

حملہ کیا، ادھر گھر میں دو آدمی حملہ آور ہوئے اور اب ٹرین سے اکبر ہمدانی کی لاش ملی ہے... ارے مم... مگر۔'' وہ کہتے کہتے رُک گئے۔

''جی ابا جان... اس ارے مگر کا کیا مطلب ہے۔'' محمود حیران ہو کر بولا۔

''فاروق تم بتاؤ۔'' وہ فاروق کی طرف مڑے۔

''جی کیا بتاؤں... ارے مگر کا مطلب؟'' فاروق بوکھلا اُٹھا۔

''نہیں... تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اس بات کا یقین کس طرح تھا کہ ٹرین میں کوئی کیس ضرور پیش آئے گا۔''

''جی... وہ تو میں نے بس یونہی کہہ دیا تھا، میرے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ٹرین میں واقعی کوئی معاملہ پیش آجائے گا۔''

''میں نہیں مانتا... تمہیں وجہ بتانا ہوگی۔'' انسپکٹر جمشید کی نظریں اس پر جم گئیں۔

''یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' فاروق گڑبڑا گیا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں... ضرور کوئی بات ہے... ورنہ تم ٹرین کے سفر پر اس قدر اصرار کیوں کرتے۔''

''آپ... آپ ٹھیک کہتے ہیں ابا جان۔'' آخر فاروق نے کانپتی آواز میں کہا۔

''کک... کیا مطلب؟'' محمود، فرزانہ اور خان رحمان اچھل پڑے، ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں، کیونکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ فاروق نے ٹرین کا سفر کسی خاص وجہ کے تحت کرنے کا چکر چلایا تھا۔ وہ تو یہ سمجھے تھے کہ بس یونہی پروگرام بن گیا۔ (جاری ہے)

مسکراہٹ کے پھول

☆ باپ: بیٹا تم بڑے ہو کر کیا بنو گے۔ ویسے انسان کو بڑا بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بیٹا: ٹھیک ہے ابا جان! میں ہاتھی بنوں گا۔

(حفصہ منور دین۔ فیصل آباد)

☆ لڑکا: (دودھ والے سے) ایک لیٹر دودھ دے دو۔

دودھ والا: یہ برتن چھوٹا ہے، اس میں ایک لیٹر دودھ نہیں آئے گا۔

لڑکا: (سوچ کر) آپ ایسا کریں کہ بکری کا دے دیں۔ (اقراء انجم۔ لاہور)

☆ استاد: قائداعظم اور علامہ اقبال میں کون سی بات ایک جیسی تھی۔

نیلاب پُل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 8

''ہاں تو فاروق... جلدی بتاؤ... وہ کیا وجہ تھی جس کی بنا پر تم ٹرین کا سفر کرنے پر تُل گئے؟''

''ابا جان... آپ میری بات پر یقین نہیں کریں گے۔'' فاروق گڑبڑا کر بولا، حیرت کے آثار اس کے چہرے پر بھی تھے۔

''کیوں یقین نہیں کروں گا... ضرور کروں گا، اس لیے کہ تم جھوٹ بولنے کے عادی نہیں ہو۔''

''تو پھر سنیے... میں نے رات ایک خواب دیکھا تھا، میں نے دیکھا، ہم ٹرین میں سفر کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے ایک بہت بڑا ٹرنک قلیوں کے ذریعے ڈبے میں رکھوایا اور پھر خود غائب ہو گیا، میں اس ٹرنک کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کا ڈھکنا اُٹھا کر دیکھا تو اندر ایک لاش تھی، اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی، لیکن خواب کا اثر ذہن سے زائل نہیں ہوا تھا، یہاں تک کہ یہ اثر دن نکلنے پر بھی جاری رہا... پھر میں اسکول سے واپس آ گیا، لیکن خواب ابھی تک ذہن میں موجود تھا اور پھر خود بخود میری زبان ٹرین کے سفر کے لیے کھلنے لگی، یہاں تک کہ میں نے انکل خان رحمان کو بلا لیا... اس کے بعد کے حالات تو آپ جانتے ہی ہیں۔'' یہاں تک کہہ کر فاروق خاموش ہو گیا۔

وہ سب سوچ میں ڈوب گئے:

''یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے ابا جان۔'' فرزانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ضرور ہو سکتا ہے فرزانہ... جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی محبوب بندے کو بچانا چاہتا ہے تو اس قسم کے سامان بھی پیدا کر دیتا ہے... ملک کے موجودہ صدر بہت اچھے آدمی ہیں... ملک میں اسلام نافذ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ چیز ہمارے دشمن ممالک کو کھٹکتی ہے... لہٰذا انھوں نے صدر صاحب کو راستے سے ہٹانے کا پروگرام بنایا تھا... لیکن میں پُل پر فاروق کی اطلاع سے بھی پہلے پہنچ گیا... اور اب اللہ کی مہربانی سے پُل پوری طرح صاف ہے... اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' وہ کہتے چلے گئے۔

''سوال یہ ہے ابا جان... ان لوگوں نے اکبر ہمدانی کو کیوں ہلاک کیا؟''

''یہ بات میرے ذہن میں صاف نہیں ہو سکی... ہو سکتا ہے اکبر ہمدانی کو ان کے بارے میں کچھ معلوم ہو گیا ہو۔''

''ہوں! میرا خیال ہے... ہمیں پوری طرح چوکس رہنے کی ضرورت ہے... ہو سکتا ہے، مجرموں کا ابھی کوئی اور بھی پروگرام ہو۔'' فرزانہ نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

اسی وقت آئی جی صاحب ان کی طرف بڑھتے نظر آئے:

''ہاں بھئی کیا حالات ہیں؟''

''اکبر ہمدانی کی لاش عجیب حالات میں ملی ہے سر۔''

''کیا کہہ رہے ہو جمشید۔'' آئی جی اُچھل پڑے۔

''جی ہاں! حالات کچھ اچھے نہیں ہیں... کیا اس افتتاح کا پروگرام رک نہیں سکتا۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''نہیں جمشید... صدر صاحب پروگرام تبدیل یا ملتوی کرنے کے عادی نہیں ہیں، وہ اس بات کو پسند نہیں کریں گے۔''

''اگرچہ پُل اب بالکل صاف ہے... کوئی خطرہ نظر نہیں آتا، لیکن آپ سے ہی مجھے پتا چلا ہے کہ رونل ایک شیطانی ذہن کا مالک ہے... خدا جانے اس کا منصوبہ کیا ہے۔''

''کچھ بھی ہو جمشید... افتتاح نہیں رک سکتا، ہمیں ہر طرح کے خطرات دور کرنے ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے سر، مجھے اجازت دیں، میں ذرا اکبر ہمدانی کے گھر ہو آؤں اور ان کے نائب سلیم رانا کے گھر والوں سے بھی ملاقات کروں گا۔''

''ہوں! ضرور ہو آؤ، لیکن ذرا جلد واپس آنے کی کوشش کرنا اور ہاں خان رحمان کو یہاں میرے پاس چھوڑ جاؤ۔''

''جی بہت بہتر۔'' انھوں نے کہا، پھر انھیں ساتھ لے کر اکبر ہمدانی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ پتا انھوں نے پُل پر موجود اکبر ہمدانی کے عملے سے معلوم کر لیا تھا۔ اکبر ہمدانی کی کوٹھی بہت شان دار تھی۔ محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی، چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور ایک بوڑھے ملازم کا چہرہ نظر آیا، اس نے فوراً ہی کہا:

''فرمایئے! آپ کو کس سے ملنا ہے اور ہاں میں اس گھر کا نمک خوار ہوں، میرا نام شریف بابا ہے۔''

''شکریہ! ہمیں اکبر ہمدانی صاحب کے گھر والوں سے ملنا ہے، کیونکہ اکبر ہمدانی سے تو اب ملاقات ہو نہیں سکتی۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''یہ... یہ کیوں کہا آپ نے۔'' شریف بابا چونک اٹھا۔

''آپ ہماری آمد کی اطلاع تو دیں جا کر... یہ کارڈ لے جایئے۔'' یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے کارڈ نکال کر اسے دیا۔

''یہ ٹھیک ہے کہ وہ کل سے غائب ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان سے ملاقات ہی نہیں ہو سکتی۔'' بوڑھے نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا اور اندر چلا گیا۔ جلد ہی ایک نوجوان قریباً دوڑتا ہوا آیا، اس کے پیچھے انھوں نے دو نوعمر لڑکوں کو بھی ہانپتے کانپتے آتے دیکھا:

''اُف خدا... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔'' ایک لڑکی کانپ کر بولی۔

''کیا دیکھ رہے ہیں... دروازہ پر تو صرف ہم ہیں۔'' فاروق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ جلد ہی وہ گھر والوں کو اکبر ہمدانی کی موت کی خبر سنانے والے تھے۔

''ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے... آپ لوگوں کو کسی روز اپنے دروازے پر دیکھیں گے... ارے ارے آپ باہر کھڑے ہیں اب تک، اندر آیئے نا۔'' لڑکا بولا۔

''ہم آپ کو ایک بہت غمگین خبر سنانے آئے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''غمگین خبر... کیا مطلب؟''

''چلیے اندر چلتے ہیں... یہاں کھڑے رہ کر بات کرنا مناسب نہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں جناب۔'' ایک لڑکی بولی۔

''کیا کر سکتے ہیں... مجبوری ہے۔'' محمود نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''آخر بات کیا ہے۔'' لڑکا چیخ اُٹھا۔

''آپ اکبر ہمدانی کے بیٹے ہیں؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی ہاں! میرا نام اصغر ہمدانی ہے، یہ میری بہنیں ہیں، شازیہ اور نورین۔''

''ان کی گم شدگی کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟'' فرزانہ بول اُٹھی۔

''خیال کیا... ہم سب حد درجے حیران اور پریشان ہیں... پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا، وہ ہر روز شام کو سات بجے تک پہنچ جاتے ہیں... اس سے زیادہ دیر سے کبھی نہیں آئے... یہ پہلا موقع ہے کہ وہ کل سے گھر نہیں آئے۔''

''ہوں! ان دنوں وہ کچھ خوف زدہ تو نہیں تھے؟''

''تھے... کیا مطلب... آپ نے تھے کا لفظ کیوں بولا۔'' بڑی لڑکی نے چونک کر کہا۔

''اس لیے کہ... اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

''کیا!!!'' وہ چیخ اُٹھے اور پھر ان کے رونے کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اسی وقت ایک عورت دوڑتی ہوئی آئی اور گھبرا کر بولی:

''کیا ہوا میرے بچو۔''

''امی جان... ہم لُٹ گئے... ابو قتل کر دیے گئے۔''

''کیا کہا... یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' وہ دھک سے رہ گئی۔

''یہ انسپکٹر جمشید ہیں... یہ اطلاع یہی لے کر آئے ہیں۔''

ابھی تک بیگم ہمدانی نے ان کی طرف نہیں دیکھا تھا، اب جو وہ انھیں کھڑے نظر آئے تو وہ فوراً اوٹ میں ہو گئیں اور

پُرسکون آواز میں بولیں:

''کیا یہ درست ہے انسپکٹر صاحب؟''

''جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔''

''اُف اللہ۔'' ان کے منہ سے نکلا، تاہم وہ اب بھی پُرسکون رہیں، جب کہ ان کے تینوں بچے بے تحاشہ رو رہے تھے، اب رونے والوں میں شریف بابا بھی شامل ہو گیا تھا... اسی وقت انھوں نے ایک حیران کن منظر دیکھا... بیگم ہمدانی پُرسکون انداز میں اندر چلی گئیں...

''آپ کی والدہ کو شاید کوئی غم نہیں ہوا؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''یہ بات نہیں جناب... ہماری والدہ خالص اسلامی ذہن کی مالک ہیں... یہ ہر کام اسلام کی تعلیمات کے مطابق کرتی ہیں، اور اس بارے میں اسلام یہ کہتا ہے کہ اپنے کسی عزیز کے مرنے پر کپڑے نہ پھاڑو، بین نہ کرو، چیخو چلاؤ نہیں... ہاں خاموشی سے آنسو بہا سکتے ہو، اور بہتر تو یہ ہے کہ نماز میں مشغول ہو جاؤ... اب وہ نماز پڑھنا شروع کر دیں گی۔''

''ہوں، پھر تو آپ کی والدہ بہت مبارک ہستی ہیں... کیا اکبر ہمدانی بھی اسلامی ذہن کے مالک تھے؟''

''جی ہاں! یہ اثر امی جان نے انھی سے تو لیا تھا۔''

''تب پھر... انھیں کسی نے کیوں قتل کر دیا... ایسے آدمی تو کسی کو بھی تکلیف نہیں پہنچاتے۔''

''اس پر تو ہمیں بھی حیرت ہے۔''

''دراصل ہم ہمدانی صاحب کے کاغذات کی تلاش میں آئے ہیں، شاید ان کاغذات سے ہمیں قتل کی تفتیش کرنے میں مدد مل جائے... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟''

''بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''بہتر ہوگا، آپ اپنی امی سے بھی اجازت لے آئیں اور ساتھ ہی الماریوں کی چابیاں بھی... یا صرف اس الماری کی جس میں وہ کاغذات رکھا کرتے تھے۔''

''جی بہتر، لیکن پہلے آپ ہمیں واقعات کی تفصیل تو سنا دیں۔'' شازیہ روتے ہوئے بولی۔

''ہاں ضرور۔'' یہ کہہ کر انھوں نے مختصر طور پر حالات سنا دیے... اب اصغر اندر گیا۔ وہ جلد ہی واپس لوٹا، اس کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک گچھا تھا:

''اس گچھے میں سارے گھر کی چابیاں ہیں، آپ پوری کوٹھی کا جائزہ لے سکتے ہیں... امی جان نے فوراً اجازت دے دی، انھیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''ہوں... شکریہ۔''

''تلاشی کے دوران ہماری ضرورت تو نہیں۔'' اصغر بولا۔

''اگر آپ کو ہم پر کسی قسم کا شک ہو تو آپ کو ہمارے ساتھ ساتھ رہنا چاہیے۔''

''توبہ کریں... ہم اور آپ پر شک کریں گے۔''

''تب پھر آپ لوگوں کی موجودگی ضروری نہیں۔'' وہ بولے۔

''امی جان پوچھ رہی ہیں، ہمیں لاش کب ملے گی؟''

''کل صبح تک مل سکے گی۔''

''شکریہ۔'' اصغر نے کہا اور تینوں اپنی امی کے کمرے میں چلے گئے... فوراً ہی انھوں نے کمرے سے سسکیوں کی آواز سنی... انھیں بھی شدید غم کے احساس نے اپنے گھیرے میں لے لیا... آخر وہ شریف بابا کی رہنمائی میں اکبر ہمدانی کے کمرے میں داخل ہوئے... اس کمرے میں ایک تجوری اور تین الماریاں تھیں... سب سے پہلے انھوں نے تجوری کھولی... اس میں نقدی، زیورات اور دوسری قیمتی چیزیں موجود تھیں... ان چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا... کاغذات نام کی کوئی چیز نہیں تھی...

اب انھوں نے ایک الماری کھولی، اس میں فائلیں اور دوسرے ضروری کاغذات ایک قرینے سے رکھے تھے:

''محمود . . . تم اس الماری میں سے نیلاب پُل کی فائل تلاش کرو۔'' (جاری ہے)

نیلاب پُل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 10

''تم نے اچھا کیا رانا کہ گھر کے افراد کو تفریح کے لیے بھیج دیا، ملازم کو چھٹی دے دی، یہاں تک تو میری ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کیا، اب دوسری ہدایات کا مرحلہ آتا ہے، اگر تم نے ان ہدایات پر بھی عمل کیا تو تمام پریشانیوں سے نجات حاصل کرلو گے۔ ہاں تو کیا تم تیار ہو۔''

''مم... میں نہیں جانتا مسٹر کاویہ... آپ اور کیا ہدایات دینا چاہتے ہیں، آپ کا فون ملتے ہی میں نے گھر کے افراد اور ملازم کو یہاں سے چلتا کر دیا تھا، آخر آپ نے ایسا کیوں کرایا، آپ کیا چاہتے ہیں، اور ہاں آپ کی ہدایات کی بنا پر پُل پر بھی نہیں گیا، گھر سے بھی غائب رہا۔''

''تم نے بہت اچھا کیا رانا، تمہیں یہی کرنا چاہیے تھا... بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہیں پوری طرح پُرسکون دیکھنا چاہتا ہوں... تمہارے حواس درست نہیں ہیں... تمہیں آرام اور سکون کی ضرورت ہے... لو پہلے تو یہ گولی کھالو، تاکہ تم اپنے ہوش وحواس میں آجاؤ، مکمل طور پر پُرسکون ہوجاؤ، اسی صورت میں تم مجھ سے بات چیت کرسکتے ہو، بہت اچھی اور بہت جلد اثر کرنے والی گولی ہے... اس کے کھانے کے بعد آدمی اس قدر پُرسکون ہوجاتا ہے کہ زندگی میں کیا کبھی ہوا ہوگا۔''

''اوہو اچھا... ایسی شان دار گولی ہے۔'' سلیم رانا کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

''ہاں! بس ایک گھونٹ پانی سے نگل لو۔''

''لائیے... میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ پُرسکون ہوجاؤں۔''

''یہ لو۔'' کاویہ کی آواز سنائی دی۔

اس کے الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے کمرے میں قدم رکھ دیا اور پُرسکون آواز میں بولے:

''خبردار مسٹر سلیم رانا... تم یہ گولی نہیں کھاؤ گے۔''

کاویہ اور سلیم رانا زور سے اُچھلے، ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

''کک... کیا مطلب؟'' سلیم رانا نے بوکھلا کر کہا۔

''میں نے کہا ہے، یہ گولی نہ کھائیے گا... یہ زہر کی گولی ہے۔''

''زہر!'' ان سب کے منہ سے نکلا، کاویہ کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ اس نے اپنی جگہ سے یک دم چھلانگ لگائی اور انسپکٹر جمشید پر آرہا۔ وہ اس کی لپیٹ میں آگئے، دونوں دھڑام سے گرے، لیکن پھر فوراً ہی انسپکٹر جمشید نے کاویہ کو اپنے اوپر

سے اُچھال دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا، انھوں نے اسے اپنی لاتوں پر رکھ لیا۔ جلد ہی وہ بے دم ہو گیا۔ اس وقت تک محمود آگے بڑھ کر سلیم رانا کی ہتھیلی پر سے گولی اُٹھا چکا تھا۔

''یہ کون شخص ہے؟'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''پپ پتا نہیں... میں نہیں جانتا، کون ہے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، آپ اسے نہیں جانتے، تو پھر اس کے کہنے پر گھر کے لوگوں کو اور ملازم کو گھر سے باہر کیوں بھیج دیا۔''

''اس نے فون پر بتایا تھا کہ وہ ایک ایسی تجویز پیش کرنا چاہتا ہے جس سے زبردست مالی فائدہ ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ گھر میں میرے علاوہ کوئی اور نہ ہو، اس لیے میں نے سب کو باہر بھیج دیا۔''

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں مسٹر سلیم رانا، آپ نہیں جانتے حالات کیا ہیں، پُل پر سات آدمی ہلاک کیے جا چکے ہیں، ان کے پاس اسلحہ تھا... ان کا پروگرام صدر صاحب پر حملہ کرنے کا تھا۔''

''نہیں!'' سلیم رانا چلّا اٹھا۔

''دوسری طرف اکبر ہمدانی کو قتل کر دیا گیا ہے... اور اب آپ کی باری تھی، آخر یہ سب کیا ہے، کیوں ہو رہا ہے، آپ بھی کوئی بات بتانے پر آمادہ نہیں... آخر کیوں؟'' وہ روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

''یہ سب باتیں میرے لیے حیران کن ہیں... اُف خدا تو اکبر ہمدانی صاحب کو قتل کر دیا گیا ہے۔''

''ہاں! اگر یقین نہیں تو ان کے گھر فون کر کے دیکھ لیں۔''

''لیکن کیوں... کسی کو ان سے کیا دشمنی تھی۔''

''وہی جو اس شخص کو آپ سے ہے... آخر یہ آپ کو کیوں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔''

''یہ بات تو آپ کہہ رہے ہیں، میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔'' سلیم رانا بولا۔

''خیر! ہم اس گولی کا تجزیہ کرا لیں گے... اور اس کے بعد یہ بات۔''

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت گولی چلنے کا دھماکا ہوا تھا... گولی سلیم رانا کے پیٹ میں لگی اور وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا، گولی کی آواز کے ساتھ ہی وہ چاروں زمین پر گرے اور لڑھکتے ہوئے سلیم رانا والے صوفے کے دوسری طرف چلے گئے، لیکن کاویہ نے ان کی طرف توجہ نہیں دی تھی... ایک چھلانگ میں ہی کمرے سے باہر تھا... انھوں نے اس کے دوڑتے قدموں کی آواز سنی:

''میں اس کے پیچھے جاتا ہوں... تم اس سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔'' انسپکٹر جمشید نے دوڑتے ہوئے کہا۔

''جی بہتر۔''

تینوں صوفے کے پیچھے سے نکل کر سلیم رانا کی طرف بڑھے، فرش پر خون پھیلتا جا رہا تھا... انھوں نے خود کو خون سے بچاتے ہوئے سلیم رانا کو سیدھا کیا... اس کے چہرے پر شدید ترین تکلیف کے آثار تھے...

''مسٹر سلیم... آپ اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں... جلدی بتائیے آخر یہ کیا معاملہ ہے۔''

''مم... میں... میں... میں نے پپ۔''

اس کے ساتھ ہی اس کی گردن ڈھلک گئی۔

''لو بھئی... یہ تو گیا کام سے۔'' محمود سیدھا ہوتا ہوا بولا۔

''اللہ اپنا رحم فرمائے... بہت تیزی سے وارداتیں کی جا رہی ہیں... نہ جانے کہاں گڑبڑ ہے اور کس قدر ہے۔'' فرزانہ کانپ کر بولی۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید واپس آتے نظر آئے، ان کے چہرے سے ناکامی صاف جھلک رہی تھی:

''افسوس! وہ نکل گیا۔''

''لیکن کیسے؟'' محمود حیران ہو کر بولا۔

''میں خود حیران ہوں... جب میں باہر نکلا تو اس کا دور دور تک پتا نہیں تھا، اس بات پر مجھے حیرت ہے، آخر وہ اتنی جلدی کس طرح غائب ہو گیا۔''

''حیرت ہے... اس کیس میں تو ہمیں تابڑ توڑ ناکامیاں ہو رہی ہیں... کیا صرف اس لیے کہ رونل ایک شیطانی ذہن کا مالک ہے۔''

''پتا نہیں... مجھے کبھی رونل سے واسطہ نہیں پڑا... سب سے زیادہ فکر مجھے صدر صاحب کی ہے... کاش وہ پُل کا افتتاح ملتوی کر دیتے۔''

''آخر وہ کیوں نہیں کریں گے... ان سے کہہ کر تو دیکھنا چاہیے۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''اُصول کے بہت پکے ہیں۔'' فرزانہ بولی۔

''آؤ چلیں، ابھی ہمیں پُل کے آس پاس کا جائزہ لینا ہے۔''

انھوں نے پولیس کو فون کیا، مختصر طور پر حالات بتائے اور کوٹھی کا دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکلے... جیپ کی طرف بڑھے ہی تھے کہ انسپکٹر جمشید ٹھٹک کر رُک گئے... چند سیکنڈ کے لیے ان کے چہرے پر حیرت کے شدید آثار نظر آئے، اور پھر غائب ہو گئے... رُکنے کے بعد وہ پھر قدم اُٹھانے لگے... جیپ کوٹھی سے چند گز دور کھڑی کی گئی تھی... جیپ میں سوار ہوتے ہوئے وہ بڑبڑائے:

''میں... میں جان گیا۔''

''کیا جان گئے ابا جان۔'' محمود حیرت زدہ انداز میں بولا۔

''یہ کہ کاویہ اتنی جلدی کیونکر غائب ہوگیا۔'' یہ کہتے ہوئے انھوں نے جیپ آگے بڑھا دی۔

''کیا آپ ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے؟''

''کیوں نہیں بتاؤں گا، لیکن کچھ دیر صبر کرو پہلے میں اپنے خیال کی تصدیق کرلوں، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ میرا خیال غلط ہو۔''

''یہی تو مشکل ہے ابا جان۔'' فاروق بول پڑا۔

''کیا مطلب... کیا مشکل ہے؟''

''آپ کا اندازہ غلط ہونا۔'' فاروق مسکرایا۔

''کچھ دور پہنچ کر انھوں نے جیپ روک لی اور بولے:

''چلو اُترو۔''

''جی کیا فرمایا... چلو اُترو... اتنی جلدی اترنے کی کیا ضرورت پڑ گئی، ابھی ابھی تو سوار ہوئے ہیں۔'' فاروق حیران ہوکر بولا۔

''یار تم بال کی کھال نہ اُتارا کرو۔'' محمود نے جھنجھلا کر کہا۔

''اچھا اب نہیں اُتاروں گا۔'' اس نے کہا۔

''دھت تیرے کی۔'' محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

''آؤ بھئی... جھگڑ پھر لینا۔'' انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

''تو کیا ابا جان... جھگڑنے کے مواقع آگے آئیں گے۔''

''میرا مطلب تھا... اس کیس سے فارغ ہونے کے بعد۔''

''کیس سے فارغ ہونے کے بعد ہم کیا جھگڑیں گے، پھر جھگڑنے میں کیا لطف رہ جائے گا۔''

''تو تم جھگڑا اس لیے کرتے ہو کہ لطف آتا ہے۔'' انسپکٹر جمشید حیران ہوکر بولے۔

''جی بالکل... آپ نے بتایا نہیں... جا کہاں رہے ہیں؟''

''سلیم رانا کی کوٹھی کے برآمدے کا فرش قدرے گیلا تھا، شاید کچھ دیر پہلے ہی ملازم نے اسے دھویا تھا، اسی وقت اسے باہر بھیج دیا گیا اور گھر والوں کو بھی... پھر کاویہ آگیا، لیکن ابھی آکر بیٹھا بھی نہیں تھا کہ ہم بھی پہنچ گئے... گولی چلانے کے بعد وہ بھاگا تو گیلے فرش پر پڑنے کی وجہ سے اس کے جوتے کا تلا بھی کسی قدر گیلا ہوگیا... یہ گیلا تلا دروازے کے پاس نشان بنا گیا، کیونکہ اس جگہ فرش قدرے گرد آلود تھا، پھر یہی نشان میں نے چند قدم دور ایک اور مکان کے دروازے پر دیکھا... اور دیکھا بھی دوڑنے کی سمت میں... مطلب یہ کہ کاویہ میرے اندازے کے مطابق اس مکان میں ہے... اور یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے دوڑتا نظر نہیں آیا، آتا بھی کیسے... وہ تو باہر نکلتے ہی ایک اور مکان میں داخل ہوگیا تھا۔'' انھوں نے بتایا۔

''اوہ... اوہ۔'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

(جاری ہے)

نیلاب پُل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 11

''لیکن دو مرتبہ کہنے کی کیا ضرورت ہے، ایک مرتبہ اوہ کہہ کر بھی کام چل سکتا ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

انھوں نے اس کے جملے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے:

''یہی کوٹھی ہے... محمود اور فرزانہ تم دروازے کی طرف ہی ٹھہرو... اگر کاویہ نکل کر بھاگتا نظر آئے تو اس کا تعاقب کرنا ہے... وہ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے... اس بات کی پروا نہ کرنا کہ نزدیک رہ کر تعاقب کیا تو وہ دیکھ لے گا، پروا نہیں، وہ بے شک دیکھ لے... بس اس کا پیچھا نہیں چھوڑنا، میں اور فاروق اندر جا رہے ہیں... اور اگر ہم اسے اندر قابو میں کر سکے تو پھر فاروق تم دونوں کے لیے دروازہ کھول دے گا۔''

''اوکے۔''

علاقہ کم آباد تھا اور قدرے سنسان بھی... وہ اس مکان کے پچھلی طرف آئے... پائپ پر چڑھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، کیونکہ ایک کھڑکی کھلی تھی... پہلے انسپکٹر جمشید اندر کودے اور ان کے بعد فاروق... انھوں نے خود کو ایک بڑے کمرے میں پایا... کمرے کا دروازہ کھلا تھا... وہ اس میں سے گزر کر مکان کے صحن میں آ گئے... دوسری طرف بھی ایک کمرہ تھا... اس کا دروازہ بھی کھلا تھا اور اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں... دائیں طرف کمرے میں ایک کھڑکی تھی... دونوں اس کھڑکی سے آ لگے...

''میں پھر کہوں گا، تمھیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، اس طرح تو تمھارے ساتھ میں بھی پھنس سکتا ہوں۔''

''اور میں کہاں جاتا... انسپکٹر جمشید لازمی طور پر میرے تعاقب میں نکلتے اور میں بچ نہیں سکتا تھا۔'' انھوں نے کاویہ کو کہتے سنا۔

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم ساتھ میں مجھے بھی پھنسوا دو۔''

''بھئی اس کا امکان نہیں۔'' کاویہ بولا۔

''تم انسپکٹر جمشید کو سمجھتے کیا ہو، جب وہ دیکھے گا کہ تم آن کی آن میں غائب ہو گئے تو پھر وہ آس پاس کی عمارتوں کا جائزہ لینا شروع کر دے گا، اور اس طرح تمھارے ساتھ میں بھی پھنس جاؤں گا۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر بزدل آدمی ہو، حیرت ہے، باس نے کس طرح تمھیں اپنے ساتھ شامل کر لیا۔'' کاویہ بھنا کر بولا۔

''میری عقل کی وجہ سے... میں جوش کی بجائے ہوش سے کام لینا پسند کرتا ہوں۔''

انسپکٹر جمشید نے فاروق کو اشارہ کیا کہ بیرونی دروازہ کھول کر محمود اور فرزانہ کو بھی اندر لے آئے، لیکن دبے پاؤں... تاکہ ان لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہو...

فاروق نے سر ہلایا اور بیرونی دروازے کی طرف چلا گیا... وہ دروازے والی سمت میں ہی کھڑے تھے، اس لیے کمرے کے دروازے کے سامنے سے نہیں گزرنا پڑا... جلد ہی وہ دونوں بھی اندر آ گئے... اب انسپکٹر جمشید نے پستول جیب سے نکال کر ہاتھ میں لیا اور دروازے پر جاتے ہی بولے:

''معاف کرنا! ہم پھر آ گئے ہیں... اور اس بار تمھیں بھاگنے کا موقع نہیں دیں گے۔''

کمرے میں موجود دونوں آدمی زور سے اُچھلے اور ان کی طرف مڑے، دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت اور خوف کی زیادتی سے پھیل گئیں، جب کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کا بھی مارے حیرت کے بُرا حال ہو گیا، کیونکہ کاویہ کے ساتھ دوسرا آدمی وہی بڑے میاں تھا... جس نے گاڑی میں لاش والا ٹرنک رکھوایا تھا...

''ارے... یہ تو وہی ہیں۔'' فاروق چلّا اٹھا۔

O

''کون وہ؟'' انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

''گاڑی میں لاش والا ٹرنک اس بوڑھے نے ہی رکھوایا تھا اور پھر قلیوں کی تلاش کے بہانے غائب ہو گیا تھا، اس کے غائب ہونے کے بعد ہی ہم نے زنجیر کھینچی تھی اور ریلوے پولیس کو ٹرنک کھول کر دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔''

''ویری گڈ! یہ اور بھی اچھی بات ہے، گویا یہاں اکبر ہمدانی کا قاتل بھی موجود ہے اور سلیم رانا کا بھی، اور یہ دونوں اس پل کی تعمیر کے ذمے دار تھے... اب ہم ان دونوں سے یہ معلوم کر کے رہیں گے کہ انھوں نے ان دونوں کو موت کے گھاٹ کیوں اُتارا، ان کے زندہ رہنے کی صورت میں انھیں کیا خطرہ تھا... تو دوستو، تم دونوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا، لیکن اس طرح کہ تم کوئی گڑبڑ نہ کر سکو... اور اس کی بس ایک ہی ترکیب ہے۔''

''ایک ہی ترکیب۔'' محمود حیران ہو کر بولا۔

''ہاں... یہ لو... تم پستول اپنے ہاتھ میں رکھو... اگر ان میں سے کوئی فرار ہونے کی کوشش کرے تو ان پر گولی چلا دینا، میں ان کا بندوبست کرتا ہوں۔''

''نن... نہیں... نہیں۔'' بڑے میاں نے کانپ کر کہا۔

''اگر تم موت سے ڈرتے ہو تو پھر چپ چاپ اپنے ہاتھ پیر بندھوا لو۔''

ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے... انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر انھی کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ کمر کی طرف باندھ دیے:

''باہر نکلو اور جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھ جاؤ، محمود تم ان کے پاس بیٹھو گے، انھیں پستول کی زد پر رکھو گے، اگر یہ ذرا

بھی حرکت کریں تو بے شک گولی مار دینا۔''

''جی بہتر۔'' محمود بولا۔

''اور ہاں، یہ مکان کس کا ہے؟''

''کرائے کا ہے... میں نے کرائے پر لے رکھا ہے۔'' بوڑھا بولا۔

''اور تم کون ہو...

ان واقعات کا تم سے کیا تعلق ہے؟''

''ہم سب ایک شخص کے اشاروں پر ناچتے ہیں... وہ ہمیں اشاروں پر چلا رہا ہے... کیوں کاویے؟''

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔'' کاویہ بولا۔

''اور وہ شخص کون ہے؟''

''ہمیں نہیں معلوم۔''

''پُل کا کیا معاملہ ہے؟'' انھوں نے پوچھا۔

''ہمیں نہیں معلوم... ہمیں تو بس باس کا جو حکم ملتا ہے، ہم اس پر عمل کر ڈالتے ہیں، کل ہمیں حکم ملا تھا کہ اکبر ہمدانی کو ہلاک کر کے لاش کو غائب کر دیا جائے... آج صبح حکم ملا کہ سلیم رانا کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔''

''اور تم نے اس کے احکامات کی تعمیل کر دی، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ قتل کی سزا کیا ہوتی ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''اور کیا کرتے، وہ ہمیں بہت معقول معاوضہ دے رہا ہے۔'' کاویہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''اور اب جیل بھی بھجوا رہا ہے۔'' فاروق نے اس سے بھی برا منہ بنایا۔

''اس نے کہا تھا۔'' کاویہ کہتے کہتے رک گیا۔ انھوں نے اس کی طرف دیکھا:

''ہاں! کیا کہا تھا اس نے؟''

''کچھ نہیں... میں بھول گیا، اس نے کیا کہا تھا۔''

''خیر چھپا لو... کمرۂ امتحان میں تم فر فر بولنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔'' انھوں نے کہا۔

وہ کچھ نہ بولے اور پھر جیپ روانہ ہو گئی... ابھی انھوں نے پندرہ منٹ کا راستہ طے کیا ہو گا کہ سڑک کے بیچوں بیچ کوئی کھڑا نظر آیا... ایک طرف ایک کار کھڑی تھی... انسپکٹر جمشید نے اسے ہارن پر ہارن دیے، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا... مجبوراً انھیں جیپ روکنا پڑی، لیکن وہ اب بھی سڑک پر اسی طرح کھڑا رہا...

''تمھارا ارادہ جیل جانے کا تو نہیں۔'' انسپکٹر جمشید تلملا کر سڑک پر اُترے، اسی وقت ایک ہولناک دھماکا ہوا... فوراً ہی دھوئیں کے ایک بادل نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا... دھواں اس قدر شدید جلن پیدا کرنے والا تھا کہ ان کی آنکھیں

فوراً بند ہو گئیں...

ہوش آیا تو دھواں چھٹ چکا تھا... سڑک سے اُٹھ کر جیپ کے پچھلے حصے کی طرف آئے... اور پھر دھک سے رہ گئے... جیپ میں سے کاویہ اور بوڑھا غائب تھا... محمود، فاروق اور فرزانہ لڑھکے پڑے تھے... ان کی سٹی گم ہو گئی... یہ خوفناک خیال ان کے ہوش اڑا گیا کہ حملہ آور کہیں ان تینوں پر بھی وار تو نہیں کر گیا... جلدی سے انھیں ہلا جلا کر دیکھا اور پھر اطمینان کا سانس لیا، کیونکہ وہ صرف بے ہوش تھے... دو منٹ بعد وہ بھی ہوش میں آ گئے...

''اُف خدا... یہ کیا ہوا؟'' محمود تھر تھر کانپتی آواز میں بولا۔

''ہمیں ٹھیک ہی اطلاع ملی تھی کہ رونل شیطانی ذہن کا آدمی ہے... سڑک کے عین درمیان میں شاید وہ خود آ کر کھڑا ہو گیا تھا... اس نے دھوئیں کا بم مار کر ہمیں بے ہوش کیا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو لے جانے میں کامیاب ہو گیا اور شاید یہی کاویہ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے کہا تھا، میں تمھیں بچا لوں گا۔''

''اُف خدا... بلا کا تیز آدمی ہے۔''

محمود بڑبڑایا۔

''ہوں... افسوس! میں نے رونل کے متعلق غلط اندازہ لگایا۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے، پھر گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے چونک اُٹھے:

''بہت وقت ضائع ہو گیا... ہمیں جلد از جلد نیلا ب پُل پر پہنچنا ہے۔''

آخر آدھ گھنٹے بعد وہ پُل کی طرف روانہ ہوئے... دور سے ہی انھوں نے دیکھ لیا، پُل کے پاس ایک ہجوم سا جمع ہے...

''یا الٰہی خیر... یہاں بھی کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے کیا۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

نزدیک پہنچ کر جیپ سے اُترے... انھوں نے دیکھا، وہ لوگ آئی جی صاحبان اور خان رحمان کو گھیرے کھڑے تھے... آئی جی صاحب کچھ کہہ رہے تھے، انسپکٹر جمشید پر نظر پڑتے ہی بولے:

''آؤ جمشید... کہو... کیا رہی؟''

''ابھی بتاتا ہوں... یہاں کیا ہوا سر؟''

''یہاں... تو کچھ بھی نہیں ہوا... شہر کی گیارہ عمارتوں میں بیک وقت دھماکے ہوئے ہیں، ان سے آگ اور دھوئیں کے بادل اُٹھ رہے ہیں، پولیس اور فائر بریگیڈ کا عملہ آگ بجھانے اور لوگوں کو بچانے کے لیے اپنی سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔''

''اوہ۔'' وہ دھک سے رہ گئے۔

''حالات حد درجے سنگین ہو گئے ہیں... سر کیا یہ افتتاح رُک نہیں سکتا۔''

''صدرِ مملکت سے بات کون کرے... وہ جھاڑ پلا دیں گے۔'' ڈی آئی جی بولے۔

''مجھے اجازت دیجیے... میں ان سے بات کرتا ہوں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''اگر جھاڑ سننے کی ہمت ہے تو ضرور بات کر لو۔''

''شکریہ... ملک اور قوم کی خاطر ایک آدھ جھاڑ تو کیا میں تو دس جھاڑیں برداشت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ فون کی طرف بڑھے... محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان نے بھی ان کے ساتھ قدم اُٹھا دیے:

''وہ نہیں مانیں گے جمشید۔'' شیخ صاحب بولے۔

''کوشش تو کر دیکھنی چاہیے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

پندرہ منٹ بعد کہیں جا کر سلسلہ ملا، اور وہ بولے:

''ہیلو سر! انسپکٹر جمشید عرض کر رہا ہوں۔''

''کہو جمشید... کیا حال ہے؟''

''جی بس... ٹھیک ہوں... سر... کیا اس افتتاح کا پروگرام ملتوی نہیں ہو سکتا۔''

''جمشید! یہ تم کہہ رہے ہو۔'' صدر صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

''حالات بہت ہی سنگین ہیں سر... اس لیے کہہ رہا ہوں۔''

''کیا تم نہیں جانتے، میں اپنے ہر پروگرام پر عمل کرنے کا عادی ہوں، کوئی پروگرام تبدیل نہیں کرتا، کیونکہ اس طرح نہ جانے کتنے پروگرام تبدیل کرنا پڑتے ہیں۔''

''آپ بالکل بجا فرما رہے ہیں سر... لیکن میری گزارش یہ ہے کہ کم از کم اس مرتبہ آپ ضرور اپنا پروگرام تبدیل کر دیں۔''

''نہیں جمشید... یہ نہیں ہو سکتا۔'' انھوں نے کہا، پھر چونک کر بولے: (جاری ہے)

ایک اہم خط

شیخ الحدیث حضرت مولانا صدیق۔ خیر المدارس ملتان

ایک اصول تسلیم شدہ ہے کہ مستقبل کو ماضی کے آئینے میں ڈھالا جاتا ہے اور دوسرا اصول یہ ہے کہ سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے عبرت پکڑے۔ ان دو اصولوں کے پیشِ نظر آپ کی توجہ ماضی کی طرف دلاتا ہوں۔

1 حکومتِ برطانیہ نے نوے سال حکومت کی اور وہ ان سالوں میں ان قبائل کو تسخیر نہ کر سکا اور آخر کار آزاد قبائل

نیلاب پل

اشتیاق احمد

قسط نمبر 12

''لیکن بھئی... تم اس بات پر اتنا زور کیوں دے رہو؟''

''کیا مجھے اجازت ہے... مختصر طور پر حالات عرض کروں۔''

''ہاں ضرور...'' انہوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے سارے حالات سنا دیے... ان کے خاموش ہونے پر صدر صاحب بولے:

''ٹھیک ہے... خطرہ بے شک بہت بڑا ہے، لیکن پل تو ٹھیک ہے نا۔''

''جی... جی ہاں... پل بالکل ٹھیک ہے... چیک کیا جا چکا ہے، لیکن میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوں...'' انہوں نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟'' صدر صاحب چونک اٹھے۔

''مطلب یہ کہ دشمن ملک شارجستان سے ہمارے ایک با اعتماد جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ ان کا ایک خطرناک ترین جاسوس رونل ہمارے ملک میں داخل ہو چکا ہے... اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک شیطانی ذہن کا آدمی ہے... اگرچہ اب تک ان تمام وارداتوں میں کہیں بھی اس کا نام... اوہ سوری...'' انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

''کیوں کیا ہوا... تم شاید یہ کہنے چلے تھے کہ ابھی تک اس کا نام کہیں بھی نہیں آیا... مطلب یہ کہ اس کا عمل دخل ان وارداتوں میں کہیں بھی نظر نہیں آیا... تب پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ اسی معاملے کے لیے آیا ہے۔''

''میں اس لیے کہتے کہتے رک گیا تھا، کیونکہ میرے گھر وہ ایک خط بھیج چکا ہے... اس خط میں اس نے دھمکی دی تھی کہ میرے گھر آئے گا، لیکن وہ خود نہیں آیا، بلکہ اس نے اپنے دو گرگوں کو بھیج دیا تھا... بہر حال یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ ان وارداتوں کے پیچھے واقعی رونل کا ہاتھ ہے یا نہیں۔''

''خیر بھئی جمشید... کچھ بھی ہو... یہ افتتاح اپنے وقت پر ضرور ہوگا۔''

''تب پھر میری ایک تجویز ہے۔''

''اور وہ کیا۔''

''آپ کس وقت پل کے ایک سرے سے روانہ ہوں گے۔''

''ٹھیک سات بجے صبح۔''

''کیا آپ یہ بھی نہیں کر سکتے کہ صرف ایک منٹ پروگرام لیٹ کر دیں۔''

''کیا مطلب؟'' صدر صاحب چونک اٹھے۔

''مطلب یہ کہ ہوسکتا ہے پل میں کوئی خفیہ خانہ بنایا گیا ہو اور اس میں کوئی بم رکھ دیا گیا ہو... اور وہ بم ٹھیک اس وقت پھٹے جب آپ گزر رہے ہوں... اگر آپ صرف ایک منٹ کی دیر کردیں گے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہوگا اور اس طرح ہم ہر خطرے سے محفوظ ہوجائیں گے... یہ میری آپ سے درخواست ہے۔''

''اچھا خیر... میں سوچوں گا۔''

''یہ... یہ بہت ضروری ہے سر۔''

''ہاں ہاں... میں نے خوب غور سے تمہاری بات سنی ہے اور جانتا ہوں، تم ملک اور قوم کے کس قدر خیر خواہ ہو، ملک اور قوم کے لیے تم اور تمہارے تینوں بچے ہر وقت جان ہتھیلی پر لیے رہتے ہیں اور ان حالات کی روشنی میں مجھے تمہاری بات ضرور مان لینی چاہیے... اس لیے میں وعدہ کر رہا ہوں کہ غور کروں گا۔''

''لیکن سر! اب اس میں غور کرنے کی کیا گنجائش رہ گئی...'' انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

''بھئی جمشید... تم بہت ضدی ہو... خیر میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ایک منٹ دیر سے روانہ ہوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ جناب... اب ایک اور گزارش کروں گا۔''

''اوہو بھئی جمشید... مجھے بہت کام ہیں... آج کتنی درخواستیں کرو گے۔''

''میری ڈیوٹی پل کے دوسرے سرے پر ہے... لیکن میں چاہتا ہوں کہ میں آپ سے آگے موٹر سائیکل پر پل پر چلوں، یعنی حفاظتی موٹر سائیکل سواروں کے ساتھ، محمود، فاروق اور فرزانہ میری جگہ دوسرے سرے پر ڈیوٹی دیں۔''

''یہ کیا مشکل ہے... میری طرف سے تمہیں اس کی اجازت ہے۔''

''شکریہ سر...'' انہوں نے کہا اور دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا۔

''آؤ بھئی... کچھ تو ہوا...'' انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''ابا جان... کیا واقعی آپ کا یہ خیال ہے کہ پل پر کہیں بم موجود ہے۔''

''ہاں بھئی، لیکن اگر افتتاح کے ٹھیک وقت پر بم کا دھماکا نہ ہوا تو پھر خطرہ بہت ہولناک ہوگا...'' وہ بولے۔

''جی کیا مطلب، پھر خطرہ ہولناک کیسے ہوگا، اس صورت میں تو یہ خیال کیا جائے گا کہ پل پر سرے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''ہاں! تم لوگ یہ خیال کرسکتے ہو، لیکن میں کس طرح یہ بات سوچ لوں، پھر تو سوال یہ پیدا ہوجائے گا کہ اس قدر گڑبڑ قتل و غارت اور تباہی کی کیا ضرورت تھی... مطلب یہ کہ اتنی عمارات جلانے کی کیا ضرورت تھی، آخر کچھ تو ہے جس کے لیے اتنا کچھ کیا گیا ہے۔''

''ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں اور ہمیں فکر میں مبتلا کیے دے رہے ہیں...'' محمود بڑبڑایا۔

''میں تم سے زیادہ فکر مند ہوں۔''

اسی وقت انہوں نے آئی جی صاحبان کو ادھر آتے دیکھا:

''کیوں جمشید کیا رہا۔''

''وہ پروگرام ملتوی کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے...'' وہ بولے۔

''وہ تفصیل بتانے لگے، ایسے میں فرزانہ نے کہا:

''ابا جان! ہم ذرا ایک نظر پورے پل کو دیکھ آئیں۔''

''ٹھیک ہے... ضرور دیکھ آؤ... شاید تم ہی کوئی بات معلوم کرلو...'' انہوں نے اجازت دی۔

تینوں ان کے پاس سے ہٹ کر پل کی طرف بڑھے، ان کے دل زور زور دھڑک رہے تھے۔

(جاری ہے)

مسکراہٹ کے پھول

☆ سردار نے دکان دار سے پوچھا، یہ چمک دار چیز کیا ہے، دکان دار نے بتایا کہ یہ تھرموس ہے، سردار نے پوچھا، یہ کس کام آتا ہے، اس نے بتایا کہ گرم چیز کو گرم اور ٹھنڈی کو ٹھنڈی رکھتا ہے، سردار نے تھرموس خرید لیا۔ اگلے دن اسے دفتر لے گیا۔ تو اس کے آفیسر نے پوچھا، یہ کیا ہے، اس نے بتایا، یہ تھرموس ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ گرم چیز کو گرم اور ٹھنڈی کو ٹھنڈی رکھتا ہے، افسر نے اس سے پوچھا تم نے اس میں کیا ڈالا ہے، سردار نے جواب دیا:

''دو گلاس گرم چائے اور ایک بوتل گورے کو لا۔''

☆ مالک: (نوکر سے) ایک کپ چائے لے آؤ اور اس طرح جاؤ جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے اور اسی طرح واپس آؤ۔

نوکر: لیکن جناب! کل تو آپ کہہ رہے تھے، کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا۔

☆ ایک شخص نے دکان دار سے پیراشوٹ خریدا اور اس سے پوچھا:

''اگر بٹن دبانے پر یہ نہ کھلا تو؟''

دکان دار نے فوراً کہا:

''آ کر دوسرا لے جانا۔''

☆ ٹرین آئی تو سردار دوڑ کر ڈبے میں سوار ہو گیا۔ وہاں ٹکٹ چیکر موجود تھا، اس نے سردار سے کہا:

نیلاب پُل

اشتیاق احمد

آخری قسط

پُل کے اس طرف سب لوگ بے چینی کے عالم میں صدر صاحب کا انتظار کر رہے تھے... ان سب لوگوں میں محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان بھی تھے... ان کے چہرے ستے ہوئے تھے... ٹانگوں میں سے جان گویا نکلی جا رہی تھی، رہ رہ کر انھیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ روفل نے کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور کر رکھی ہے، ورنہ اتنا لمبا چکر کیوں چلتا اور اس گڑبڑ کا نشانہ ان کے والد بننے والے ہیں... ایسے میں فاروق کی نظر مجمعے میں کھڑے ایک شخص پر پڑی... وہ پُل کی طرف متوجہ تھا... اس پر نظر کا پڑنا تھا کہ فاروق کو اپنے بدن میں رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

''مم... میں... میں اب رُک نہیں سکتا، تم اس آدمی کو دیکھ رہے ہو۔'' فاروق نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب... کس بات سے نہیں رُک سکتے۔'' محمود نے اس آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔ فرزانہ نے بھی دیکھا، لیکن انھیں کوئی حیرت نہ ہوئی۔

''میں اس افتتاح کی خلاف ورزی کر رہا ہوں، اللہ مالک ہے، میں چلا۔'' اس نے کہا اور بلا کی رفتار سے پُل کی طرف دوڑ پڑا۔

''خبردار رُک جاؤ۔'' پُل کے دونوں طرف ملٹری کے جوان چلائے، ان کے پستول فاروق کی طرف مڑ گئے۔ یہ دیکھتے ہی محمود اور فرزانہ تڑپ کر آگے بڑھے اور چلا اٹھے:

''ٹھہریے۔''

انھوں نے ٹھہریے، اس قدر بارعب انداز میں کہا کہ ملٹری کے جوان ہی نہیں... سب لوگ چونک اُٹھے... اس کے ساتھ ہی محمود بلند آواز میں بولا:

''انکل... آپ لوگوں کو روکیں، ہم بھی فاروق کے پیچھے جا رہے ہیں، وہ بلاوجہ نہیں بھاگا... کوئی بات محسوس کی، تبھی بھاگا ہے۔'' یہ کہتے ہی محمود نے بھی فاروق کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ فرزانہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ ایسے میں خان رحمان ملٹری کے جوانوں کے سامنے آ گئے۔ آئی جی صاحبان بھی آگے بڑھ آئے۔

''نہیں بھئی... ان لوگوں پر گولی نہیں چلائی جائے گی... یہ ملک اور قوم کے خیر خواہ ہیں... اس سلسلے میں اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں۔'' آئی جی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس وقت تک وہ تینوں ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے... پُل کے عین درمیان میں پہنچ کر فاروق رُک گیا، اس

نے سامنے کی طرف نظریں اٹھائیں... ان کے والد کی جیپ چلی آ رہی تھی اور ان کے پیچھے صدر صاحب کی کار تھی... اسی وقت محمود اور فرزانہ بھی نزدیک آ گئے۔

''آؤ بھئی... جلدی کرو۔''

''آخر بات کیا ہے فاروق؟''

''بات تو کوئی ضرور ہے... بس تم دیکھتے جاؤ۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی... یوں لگا جیسے وہ کوئی چوڑا نالہ عبور کر رہا ہو۔

''تم بھی پُل کا یہ حصہ اسی طرح عبور کرو۔''

''آج فاروق کو ہو کیا گیا ہے... کمال ہے۔'' فرزانہ نے کہا اور چھلانگ لگا گئی۔ محمود نے بھی یہی کیا۔

ادھر انسپکٹر جمشید انھیں آتے دیکھ کر جیپ کو روک چکے تھے... تینوں ان کے نزدیک پہنچ گئے، ادھر صدر صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا... پچھلی کاروں سے ایک آفیسر اُتر کر تیز تیز قدم اُٹھاتا ان کے نزدیک آ گیا:

''یہ... یہ سب کیا ہے انسپکٹر جمشید صاحب؟''

''ضرور کوئی گڑبڑ ہے، ورنہ یہ تینوں اس طرح راستے میں آنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔''

ابھی یہ الفاظ آفیسر نے کہے ہی تھے کہ صدر صاحب بھی کار سے اُتر آئے... ان کا اُترنا تھا کہ تمام کاروں کے دروازے کھلنے کی آواز گونج اُٹھی... سبھی اُتر آئے:

''خیر تو ہے جمشید۔'' ان کا لہجہ ناخوش گوار تھا۔

انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں ان تینوں کی طرف دیکھا اور بولے:

''ہاں بھئی... بتاؤ... تم لوگ اس طرح اچانک راستے میں کیوں آئے ہو۔''

''ابا جان... اس کی وجہ فاروق بتائے گا... دوڑ اس نے لگائی تھی۔''

''جی ہاں! یہ ٹھیک ہے... پُل عبور کرنا موت کے منہ میں چھلانگ لگانا ہے۔'' فاروق نے کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو... کیا تم پُل عبور کر کے نہیں آئے۔''

''ہم پیدل آئے ہیں، کسی گاڑی پر نہیں... پُل کا کوئی نہ کوئی حصہ ایسا ہے کہ جو گاڑیوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکے گا اور سیدھا دریا میں جا گرے گا... دریا ان دنوں پہلے ہی طغیانی پر ہے۔''

''لیکن تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ پُل کا کوئی حصہ ایسا ضرور ہے، جب کہ ہم بار بار چیکنگ کر چکے ہیں۔''

''جی ہاں، لیکن رونل کے شیطانی ذہن کا بھی خیال رکھیے... آخر اس نے کچھ نہ کچھ تو کر رکھا ہے۔''

''اچھا خیر... پھر تم کیا کہتے ہو۔'' انسپکٹر جمشید بے چین ہو کر اٹھے۔

''آپ اپنی جیپ کو پہلے گیر میں رکھ کر خود بخود آگے بڑھ جانے دیں، اگر جیپ صحیح سلامت دوسری طرف پہنچ گئی، تب تو ٹھیک ہے... ورنہ جو بھی خطرہ ہے، سامنے آجائے گا۔''

انسپکٹر جمشید کے ذہن میں فوراً یہ بات آگئی کہ اکبر ہمدانی اور ان کے نائب سلیم رانا کے قتل بلاوجہ نہیں ہوئے، چنانچہ بولے:

''تم ٹھیک کہتے ہو، ہمیں یہ تجربہ کرنا ہی ہوگا۔''

''لیکن جمشید... پُل کے دوسری طرف غیر ملکی نامہ نگار ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔'' صدر صاحب بے قرار ہو کر بولے۔

''آپ نے بجا فرمایا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم موت کے منہ میں چھلانگ لگا دیں۔''

''فاروق کا خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔'' صدر صاحب بولے۔

''ہوں! ٹھیک ہے، لیکن تجربہ کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے؟''

''اچھی بات ہے جمشید، لیکن یہ سوچ لو... غیر ملکی پریس ہمارا خوب مذاق اڑائے گی۔''

''مجھے اس کا اچھی طرح احساس ہے سر۔''

اتنا کہتے ہی انھوں نے اپنی جیپ نیچے کھڑے رہ کر اسٹارٹ کی اور پہلے گیر میں اسے چھوڑ دیا... جیپ خود بخود آگے بڑھی، سب کی نظریں اس پر جم گئیں... دوسرے ہی لمحے ایک دھماکا ہوا اور ان سب نے جیپ کو دریا میں گرتے ہوئے دیکھا... پُل میں اب اتنا بڑا خلا نمودار ہو چکا تھا کہ اس میں سے ایک بڑی سے بڑی کار بھی نیچے گر سکتی تھی۔

ان سب کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں... انسپکٹر جمشید کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی... ایسے میں فاروق چلایا:

''محمود فرزانہ آؤ... کہیں مجرم نکل نہ جائے۔''

''مجرم... کیا مطلب... کیا وہ دوسرے سرے پر موجود ہے۔''

''ہاں! اسے دیکھ کر ہی تو میں نے پُل پر دوڑ لگائی تھی اور اب ہم اس طرف سے جائیں گے، تاکہ عین اس کے پیچھے پہنچ جائیں... یوں بھی اس خلا کو پھلانگنا ممکن نہیں رہا۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی فاروق نے دوڑ لگا دی اور کاروں کے پاس سے ہو کر گزرنے لگے... محمود اور فرزانہ پوری طرح اس کا ساتھ دے رہے تھے:

''فاروق تو آج بیٹھے بٹھائے ہیرو بن گیا، کیس کا سہرا اس کے سر بندھ گیا ہے۔'' فرزانہ بولی۔

''ہاں واقعی... اس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا، لیکن میں حیران ہوں... اس نے مجمعے میں سے کسی شخص کو بطور مجرم

کس طرح پہچان لیا... ہمیں تو اب تک معلوم نہیں کہ مجرم کون ہے۔"

"کمال تو یہی ہے، پھر فاروق کو کس طرح یہ بات معلوم ہوگئی... کیوں فاروق؟" فرزانہ نے دوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں، مجرم بہت چالاک ہے... اس نے جیپ کے دریا میں گرنے کا دھماکا سن لیا ہوگا... لہٰذا وہ رُکا نہیں رہے گا، اس نے ہم تینوں کو بھی پُل کی طرف دوڑ لگاتے دیکھ لیا تھا... لہٰذا ہوسکتا ہے، وہ یہ جان جائے کہ اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا ہے، یعنی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا... اس صورت میں دو ہی راستے رہ جاتے ہیں... یا تو وہ خود صدر صاحب پر حملہ کرے یا فرار ہوجائے... دونوں ہی باتیں ہمارے لیے پسندیدہ نہیں ہیں۔"

"ہوں . . . تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن مجرم ہے کون؟"

"آؤ... پہلے اس سے نپٹ لیں، پھر... ارے... وہ... وہ جا رہا ہے... اُف اللہ۔" فاروق چلّا اٹھا۔

اس وقت تک وہ چکر کاٹ کر کشتیوں کے عارضی پُل پر سے ہوتے ہوئے دوسری طرف پہنچ چکے تھے اور مجمعے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ انھوں نے ایک شخص کو تیز تیز قدم اُٹھا کر ایک طرف جاتے دیکھا۔

"آؤ... جلدی کرو۔" فاروق بولا۔

محمود اور فرزانہ نے بھی اسے دیکھ لیا، تینوں بے تحاشہ اس کی طرف دوڑے، لیکن اسی وقت وہ ایک کار میں بیٹھ گیا... تینوں دھک سے رہ گئے... انھوں نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں... استقبال کرنے والوں کی بے شمار کاریں کھڑی تھیں، لیکن سب کی سب خالی تھیں... اور دروازے بند تھے:

"وہ... وہ نکلا جا رہا ہے۔" فاروق چلایا۔

"افسوس۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت ایک ٹیکسی دوسری طرف سے آتی نظر آئی... وہ خوش ہوگئے، فوراً اسے رُکنے کا اشارہ کیا... ایک منٹ بعد ہی وہ سرخ کار کے تعاقب میں روانہ ہوچکے تھے، لیکن اس وقت تک سرخ کار کہیں کی کہیں جا چکی تھی... پندرہ منٹ تک پوری رفتار پر چلنے کے باوجود وہ سرخ کار کا کوئی سراغ نہ پاسکے... اور پھر انھوں نے اپنے پیچھے ایک کار آتی دیکھی... انھوں نے فوراً ہی جان لیا، کار خان رحمان کی تھی... اسے انسپکٹر جمشید چلا رہے تھے... خان رحمان بھی اس کے ساتھ تھے . . . وہ زن کر کے ان کے پاس سے نکلے چلے گئے۔

"ابا جان شاید اسے پکڑ سکیں۔" فرزانہ پُر امید لہجے میں بولی۔

وہ بھی سڑک پر آگے بڑھتے رہے... آخر ایک گھنٹے کے بعد خان رحمان کی کار ایک جگہ کھڑی نظر آئی... انسپکٹر جمشید اور خان رحمان سڑک کے کنارے کھڑے تھے... ان کے چہروں پر مایوسی تھی... نزدیک پہنچ کر وہ رُک گئے:

"کیا ہوا ابا جان؟"

''بھئی وہ نکل گیا۔''

''کیا آپ اس تک پہنچ گئے تھے؟''

''نہیں، اگر یہاں رُکنا نہ پڑتا تو میں یقیناً اسے پکڑ لیتا۔'' انھوں نے کہا۔

''تو پھر آپ یہاں کیوں رُکے؟''

''وہ سڑک پر لمبی لمبی بے شمار کیلیں پھینک گیا تھا، کئی کیلیں تمہارے انکل کی کار کے ٹائروں کو زخمی کر گئیں۔'' انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

''تت... تو کیا وہ رونل تھا؟''

''ہاں! اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''لیکن رونل کس آدمی کے روپ میں تھا؟''

''یہ فاروق بتا سکتا ہے... کیوں بھئی... ٹھیک ہے نا۔''

''جج... جی... جی ہاں۔'' اس نے ہکلا کر کہا۔

''تو اس میں ہکلانے کی کیا ضرورت ہے۔'' فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

ان کی نظریں فاروق پر جم گئیں... اور فاروق نے جب انھیں یہ بتایا کہ مجرم کس روپ میں تھا تو وہ اچھل ہی پڑے... ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... ایسے میں محمود کے منہ سے نکلا:

''آخر اس نے اکبر ہمدانی کو کیوں قتل کیا؟''

''بے چارے ہمدانی نے پُل میں گڑبڑ نوٹ کر لی تھی، اس سے پہلے کہ وہ کسی کو کچھ بتا سکتا، اسے ختم کر دیا گیا اور ٹرنک میں ڈال کر اسٹیشن پر پہنچا دیا گیا۔''

''اور سلیم رانا کو کیوں مارا گیا؟''

''یہ کام یعنی پُل میں خرابی سلیم رانا کے ذریعے کرائی گئی... ایسی خرابی کہ ایک مقررہ وقت پر وزن پڑتے ہی ایک حصہ گر پڑے... سلیم رانا ایمان دار آدمی نہیں تھا، وہ لالچ میں آ گیا، اس کی کوٹھی کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ بے ایمانی کرتا رہا ہے... جب کہ اکبر ہمدانی اس کا باس تھا، لیکن اس کی کوٹھی اس سے گھٹیا درجے کی تھی... لہٰذا راز ظاہر ہو جانے کے ڈر سے اسے بھی ختم کرنا پڑا۔'' انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

''اور پُل پر آپ کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے نے مرتے وقت پپ پخ کیوں کہا تھا؟''

''مرتے وقت آدمی سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے، وہ ہمیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ پُل میں خرابی پیدا کی گئی ہے، لیکن بتا نہ سکا۔''

''اور اب مجھے یاد آیا، کہ کاویہ نے کارڈ لے جانے کے بعد واپس آنے میں بہت دیر لگائی تھی، گویا وہ سلیم رانا کو پٹی پڑھاتا رہا تھا کہ ہم پر کچھ ظاہر نہ ہونے دے۔'' فاروق بولا۔

''ہاں! بالکل یہی بات تھی۔'' انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

''اس کا مطلب ہے، اس مرتبہ سہرا فاروق کے سر رہا۔'' فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''ایک تو ہر معاملے کے آخر میں یہ سہرا ٹپک پڑتا ہے۔'' فاروق منہ بنا کر بولا اور وہ مسکرانے لگے۔

مومن کی پہچان

اثر جون پوری

ہے سرکار ﷺ کی شان ختمِ نبوت
ہے مومن کی پہچان ختمِ نبوت

دعا ہے کہ تیرے تحفظ کی خاطر
فدا ہو مری جان ختمِ نبوت

ہے تحریک ختمِ نبوت کا صدقہ
ہے مامونِ ایمان ختمِ نبوت

جو کذاب تھے بے نقاب ہوگئے وہ
ہے یہ تیرا فیضان ختمِ نبوت

اندھیرے میں ختمِ نبوت کا منکر
چراغِ مسلمان ختمِ نبوت

یہ فرمانِ رحمٰن بحرِ مسلمان
ہے اعلانِ قرآن ختمِ نبوت

یہ مشروبِ شیزان رکھتے ہیں نادان
نہیں جن کا ایقان ختمِ نبوت

یہ دیوانہ شاہِ دیں ﷺ کی دعا ہے
کہ شائع ہو دیوان ختمِ نبوت